یا حی یا قیوم
بسم اللہ الرحمن الرحیم
اللھم صل وسلم وبارک علی سیدنا و مولانا و حبیبنا محمد النبی
الامی وعلی آلہ واصحابہ وعترتہ بعدد کل معلوم لک وبعدد خلقک ورضی نفسک و
زنتہ عرشک ومداد کلماتک استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ
آثارِ خیر
ناشر
مکتبہ صابریہ شیش محل روڈ ○ لاہور
حاجی محمد بشیر انبالوی،

ناشر : حاجی محمد بشیر انبالوی
شیش محل روڈ لاہور

تعداد : گیارہ سو 1100

طبع دوئم پاکستانی سنہ 1981ء مارچ

مطبع : المطبعۃ العربیۃ
۳۵ لیک روڈ لاہور

قیمت :

ملنے کا پتہ : سبحانی اکیڈمی اردو بازار لاہور
نذیر سنز اردو بازار لاہور
مکتبہ صابریہ شیش محل روڈ لاہور
پاکستان

حامداً و مصلیاً

آثار خیر

جسمیں

پاک و ہند کے اسلامی عہد حکومت کے محکمہ پبلک ورک یعنی مدرسوں کتب خانوں شفاخانوں سڑکوں ۔ سراؤں ۔ نہروں ۔ تالابوں ۔ پلوں ۔ لنگر خانوں خیر اتخانوں وغیرہ کے حالات کے علاوہ مسلمان بادشاہوں کی علمی فیاضیوں کے حالات بھی مندرج ہیں

مؤلفہ

خاکسار محمد سعید احمد مارہروی مؤلف حیات صالح و حیات خسرو و امرائے ہنود وغیرہ

۱۳۲۳ھ ہجری نبوی

مطبع عزیزی آگرہ میں باہتمام منشی عبدالعزیز خان چھپی

مکتبہ صابریہ حاجی محمد بشیر انبالوی

طبع في

المطبعة العربية

٣٠- ایبک روڈ - بالمقابل فتشی چیمبر، پرانی انارکلی، لاہور (پاکستان)

بپاس خاطر

برادر عزیز میاں محمد بشیر احمد سب انسپکٹر ضلع ہمیرپور

مین اپنی اُس دلی محبت سے جو مجھے تمہارے ساتھ ہے اس ناچیز کتاب کو جو تمہاری فرمایش پر تالیف کی گئی ہے تمہارے نام پر نامزد کر کے امید کرتا ہون کہ اپنے بھائی کے اس حقیر ہدیہ کو قبول کرو گے۔

محمد سعید احمد

الحمد للہ رب العالمین والصلواۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

دنیا کی باتوں میں ہمیشہ انقلاب ہوتا رہتا ہے۔ جو بات ایک زمانہ میں سرمایۂ فخر وناز سمجھی جاتی ہے۔ وہی دوسرے زمانہ میں سب سے زیادہ بُری خیال کی جاتی ہے۔ جب کسی قوم کا اقبال یاور ہوتا ہے۔ اوس کی بُری باتیں بھلی معلوم ہونے لگتی ہیں۔ اور ادبار کے زمانہ میں اُس کے اوصاف حمیدہ اور خصائل پسندیدہ میں بھی ذم کے پہلو نکل آتے ہیں۔ غرضکہ زمانہ کو ایک پہلو پر قرار نہیں ہے ؎ ہر گھڑی منقلب زمانہ ہے ؛ یہی دنیا کا کارخانہ ہے

قدیم زمانہ میں دولت وعظمت حاصل کرنے کا ذریعہ تلوار سمجھی جاتی تھی۔ اور ہر سلطنت کی قوت و شوکت۔ اقبال وادبار کا اندازہ ہمیشہ فتوحات ملکی اور فوجی طاقت سے کیا جاتا تھا اسی وجہ سے اوس زمانہ کے مورخوں کی توجہ زیادہ تر فتوحات ملکی اور خانہ جنگیوں اور لڑائی بھڑائی کے واقعات کی جانب رہتی تھی۔ اور اونھوں نے اُس زمانہ کے مذاق اور قبول عام کی بنا پر اپنی تاریخوں کے ہزاروں صفحے ان واقعات سے بھر دئے ہیں۔ اس زمانہ میں چونکہ تاریخی

مذاق بالکل بدل گیا ہے لہذا ان مؤرخوں کی تاریخوں پر سخت نکتہ چینی کی جاتی ہے - اور اون کی کوشش اور سعی اور عرق ریزی سے چشم پوشی کرکے اون کی تحریروں کی ہنسی اڑائی جاتی ہے -

اس میں شک نہیں کہ اس زمانہ کے تاریخی مذاق کے مطابق قدیم مؤرخوں نے تہذیب و تمدن کے بیان میں اس قدر کوتاہی کی ہے کہ اسلامی حکومتوں کے سیکڑوں ہزاروں عجیب و غریب کارنامے آج گوشہ گمنامی میں ہیں - اور تفصیلی طور سے کسی بات کا پتہ نہیں چلتا - اور اگر ورق گردانی سے کچھ تھوڑا بہت پتہ چلتا بھی ہے - تو اُس سے عام لوگ فائدہ نہیں اُٹھا سکتے - یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے اکثر کارناموں سے صاف انکار کیا جاتا ہے چنانچہ ایک دن جلسہ احباب میں ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کے طرز حکومت اور انتظامات ملکی کے بیان میں محکمہ پبلک ورک یعنی منافع عامہ کا ذکر آگیا - اس پر ایک دوست نے جو انگریزی میں فضیلت کی ڈگری (ایم - اے) حاصل کرچکے ہیں اپنے نزدیک نہایت وثوق کے ساتھ بیان کیا کہ مسلمانوں کے عہد حکومت میں اس محکمہ کا نام و نشان بھی نہ تھا - اور ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کو رفاہ عام کے کاموں کی طرف کبھی توجہ نہیں ہوئی - نہ کسی نے رعایا کی تعلیم و تربیت کا بندوبست کیا - نہ ملک میں کوئی مدرسہ - شفاخانہ - محتاج خانہ وغیرہ کسی نے قایم کیا - میں نے جواب دیا کہ ہندوستان کے بادشاہوں کے رفاہ عام کے کاموں سے انکار کرنا چاند پر خاک ڈالنا ہے - اونھوں نے بہت سے رفاہ عام کے کام انجام دئے - جن کی اکثر زندہ مثالیں ہندوستان میں اس وقت تک موجود ہیں - اگر کوئی امیر کبیر اس کی تحقیقات کرنا چاہے تو مختلف تاریخوں سے بے شمار چھوٹے چھوٹے نوشتوں - اور کتبوں اور دیگر آثار سے ایسے حالات بہم پہنچ سکتے ہیں کہ جن سے اُس عہد کے محکمہ پبلک ورک کی نہایت مفصل تاریخ

تیار ہو سکتی ہے - البتہ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ کل اسلامی عہد میں اس زمانہ کا سا باقاعدہ اور مسلسل انتظام نہ تھا - لیکن یہ شخص حکومت کی خرابی کا نتیجہ تھا کیونکہ شخصی حکومت میں لایق اور بادشاہوں کے اختیار میں نہیں ہوتا کہ وہ اپنے بعد لایق اور نیک قایم مقام مقرر کریں - پس اکثر اُن کے مرنے کے ساتھ ہی اُن کے تمام انتظامات کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے -

اس تقریر کے بعد میرے برادر عزیز میاں بشیر احمد سلمہ نے مجھ سے خواہش ظاہر کی کہ میں اس بیان میں ایک رسالہ قلمبند کروں - لیکن چونکہ یہ کام نہایت دقت طلب اور میرے امکان سے باہر تھا لہذا میں نے معذوری ظاہر کی اور کہا کہ اس مضمون کو نہایت مفصل اور وسیع ہونا چاہئے اور کافی تاریخی ذخیرے کے علاوہ تمام ہندوستان میں مقامی تحقیقات کی ضرورت ہے - اس پر برادر عزیز نے عربی کے مشہور مقولہ - مَا لَا يُدْرَكُ كُلُّهُ لَا يُتْرَكُ كُلُّهُ کی بنا پر اصرار کیا کہ جب اس بیان مین کوئی رسالہ اس وقت تک موجود نہیں ہے تو کیا وجہ ہے کہ بُرا بھلا جیسا ممکن ہو لکھکر آیندہ کیواسطے نظیر نہ قایم کی جاوے - کیا عجب ہے کہ اس کو دیکھکر کسی صاحب مقدور کو شوق پیدا ہو اور وہ تمام ہندوستان میں تحقیقات کراکر اس مضمون پر ایک مکمل تاریخ تیار کراوے - چونکہ یہ بات لگتی ہوئی تھی - اور برادر عزیز کی خاطر بھی منظور تھی لہذا کتاب اُمرائے ہنود کے ختم کرنے کے بعد خدا پر بھروسہ کرکے اس کام کو شروع کردیا - اور آج اوسی کے فضل و کرم سے یہ کام اختتام کو پہنچا ؎

شکر خدا کہ ہرچہ طلب کردم از خدا
بر منتہائے ہمت خود کامراں شدم

اب مجھے سوائے اس کے کچھ کہنا نہیں کہ یہ کام میری استعداد علمی اور تاریخی واقفیت سے بہت زیادہ تھا - میں نے بہت کوشش سے مختلف تاریخوں کی ورق گردانی کی -

مقامی حالات دریافت کرنے کے واسطے بہت سے خطوط لکھے اکثر سفر کئے مگر اس پر بھی خواہش اور طبیعت کے موافق ذخیرہ مہیا نہ ہوسکا پس ناظرین سے بصد عجز التماس ہے کہ جو کچھ فروگذاشت ہو اُس کو دامن عفو میں چھپاکر از راہ ہمدردی مطلع فرماویں تاکہ طبع ثانی میں اُس کی اصلاح کردیجاوے۔

۱۳ محرم سنہ ۱۳۲۳ ہجری نبوی مطابق ۲۰ مارچ سنہ ۱۹۰۵ء
یوم دوشنبہ

خاکسار
محمد سعید احمد مؤلف حیات صالح و حیات خسرو۔ و امرائے ہنود ساکن قصبہ مارہرہ ضلع ایٹہ۔
ممالک متحدہ آگرہ و اودہ

خاص خاص کتابوں کی فہرست جنسے یہ کتاب ماخوذ ہے

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف یا مؤلف	زبان
۱	اکبر نامہ	علاّمی ابوالفضل	فارسی
۲	آئین اکبری	ایضاً	〃
۳	منتخب اللباب	محمد ہاشم خاں (خافی خاں)	〃
۴	منتخب التواریخ	ملا عبدالقادر بدایونی	〃
۵	بادشاہ نامہ	ملا عبدالحمید لاہوری	〃
۶	توزک جہانگیری	جہانگیر	〃
۷	عالمگیر نامہ	محمد کاظم و محمد ساقی	〃
۸	سیر المتاخرین	میر غلام حسین	〃
۹	تاریخ فرشتہ	ملا محمد قاسم فرشتہ	〃
۱۰	تاریخ آگرہ (قلمی)	منشی سیل چند	〃
۱۱	گل رحمت (قلمی)	محمد سعادت یار خاں	〃
۱۲	خزانۂ عامرہ	میر غلام علی آزاد بلگرامی	〃
۱۳	رقعات عالمگیری	عالمگیر	〃
۱۴	مفتاح التواریخ	ٹامس ولیم بیل صاحب	〃
۱۵	تاریخ دکن جلد دوم	مولوی عبدالغفور رامپوری	اُردو
۱۶	ایضاً جلد سوم	ایضاً	〃

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف یا مولف	زبان
۱۷	ترجمہ سفرنامہ ابن بطوطا	مترجمہ نوازش علی خاں	اُردو
۱۸	تاریخ ہند	شمس العلما خان بہادر ذکاء اللہ خاں	″
۱۹	ترجمہ سفرنامہ ڈاکٹر برنیر	خلیفہ محمد حسین	″
۲۰	رسائل شبلی	شمس العلما مولانا محمد شبلی نعمانی	″
۲۱	دربار اکبری	شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد	″
۲۲	ترجمہ تاریخ فرخ آباد	مسٹر ولیم۔ آرون صاحب	″
۲۳	تزک افغانی ارمغان شاہجہانی	محمد عباس	″
۲۴	تذکرة الواصلین	مولوی رضی الدین صدیقی فرشوری	″
۲۵	سوانح عمری بابر بادشاہ	مولوی حبیب الرحمٰن صاحب شروانی	″
۲۶	حیات زیب النسا	منشی محمد دین	″
۲۷	المشاہیر	حکیم فیض احمد ماہروی	″
۲۸	حیات صالح	مؤلف آثار خیر	″
۲۹	حیات خسرو	ایضاً	″

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	باب اول	
	سر رشتہ تعلیم علمی فیاضیاں	
	مدرسے کتب خانے	
۱	مدرسہ محمد بختیار خلجی	۱۴
۲	مدرسہ مولانا قطب الدین	″
	کاشانی۔	″
۳	غلاموں کے خاندان کی	۱۵
	علمی فیاضیاں	″
۴	دہلی کا مدرسہ معزیہ	۱۶
۵	غلاموں کے عہد کے بڑے	″
	بڑے فضلا۔	″
۶	خلجیوں کے عہد کی علمی	″
	فیاضیاں	″
۷	فیروز شاہ تغلق کے مدرسے	۱۸
۸	سلطان سکندر لودی کی	″
	علمی فیاضیاں	″

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۹	ہندوؤں کا فارسی پڑھنا۔	۱۹
۱۰	علمائے عہد سکندری۔	″
۱۱	رقعہ منظومہ سلطان سکندر	۲۰
	لودی بنام مولانا شیخ جمالی۔	″
۱۲	شیر شاہ سور اور سلیم شاہ سور	۲۲
	کی علمی فیاضیاں۔	″
۱۳	شاہان بہمنیہ کی علمی فیاضیاں	۲۳
۱۴	خواجہ حافظ رح کا دکن میں	″
	آنیکا قصد کرنا۔	″
۱۵	فیروز شاہ بہمنی کا طالبعلموں	۲۴
	کو درس دینا	″
۱۶	ملک التجار محمود گاوان وزیر	۲۵
	سلطان محمد شاہ بہمنی کی	″
	علمی فیاضی۔	″
۱۷	مدرسۂ ملک التجار محمود گاوان	۲۶
۱۸	فضلائے عہد بہمنیہ	۲۷

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
١٩	اسمٰعیل عادل شاہ کی	٢٩	٣٢	سلطان مظفر شاہ گجراتی کی	٣٣
	علمی فیاضی۔	〃		علمی فیاضی۔	〃
٢٠	محمد عادل شاہ کے عہد	٣٠	٣٣	شاہ غیاث الدین والئی	〃
	کے مدارس۔	〃		بنگالہ کی علمی فیاضی۔	〃
٢١	برہان نظام شاہ کا مدرسہ	〃	٣٤	سلیمانی کرانی 〃	٣٤
٢٢	مدرسہ بغدادا احمد نگر۔	〃	٣٥	دارالعلوم جونپور۔	٣٥
٢٣	ابراہیم قطب شاہ کے مدارس	٣١	٣٦	سلطان زین العابدین	٣٦
٢٤	سلطان محمد قلی قطب شاہ	〃		والئی کشمیر کی علمی فیاضی	〃
	کے مدارس	〃	٣٧	نصیر خاں فاروقی۔	٣٧
٢٥	شیخ محمد خاتون کی علمی	٣٢	٣٨	ظہیر الدین محمد بابر شاہ اور	〃
	قدردانی۔	〃		اس کے عہد کے علما	٣٨
٢٦	سید احمد کی علمی قدردانی	〃	٣٩	ہمایوں 〃	٣٩
٢٧	سلطان محمود خلجی والئی	〃	٤٠	اکبر اعظم۔	〃
	مانڈو اور علمی یادگاریں	〃	٤١	تصانیف عہد اکبری	〃
٢٨	مدرسہ اُجین	٣٣	٤٢	علمائے عہد اکبری	٤١
٢٩	مدرسہ مانڈو	〃	٤٣	اکبر کے عہد کے مدارس	٤٢
٣٠	مدرسہ سارنگ پور	〃	٤٤	مدرسہ فتحپور سیکری	٤٣
٣١	مدرسہ ظفر آباد	〃	٤٥	جہانگیر کی علمی قدردانی	〃

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
٤٦	قرآن شریف کا فارسی	٤٤		کا کتب خانہ	
	میں ترجمہ ہونا۔	〃	٥٩	زیب التفاسیر	٥١
٤٧	علمائے عہد جہانگیری	٤٥	٦٠	اکبر آبادی بیگم اور اون کا	〃
٤٨	شاہجہاں کے عہد کی	〃		مدرسہ	〃
	علمی فیاضیاں	〃	٦١	ہندوستان کے دیگر مدارس	٥٢
٤٩	علمائے عہد شاہجہانی	٤٦		کی فہرست۔	〃
٥٠	عالمگیر اور فتاوئ عالمگیری	٤٧	٦٢	ہندوستان کے مشہور مشہور	〃
٥١	عالمگیر کے ہاتھ کے لکھے	٤٨		مدرسوں کی فہرست۔	〃
	ہوئے قرآن شریف	〃	٦٣	ہندوستان کے کتب خانے	٧٩
٥٢	علمائے عہد عالمگیری	〃	٦٤	فیروز شاہ تغلق کا کتب خانہ	٨١
٥٣	خواتین مغلیہ کی علمی	٤٩	٦٥	غازی خاں کا کتب خانہ	٨٢
	فیاضیاں۔	〃	٦٦	اعتماد خاں گجراتی کا کتب خانہ	〃
٥٤	مدرسہ ماہم بیگم دہلی	〃	٦٧	سلاطین مغلیہ کا کتب خانہ	٨٣
٥٥	گلبدن بیگم اور ہمایوں نامہ	٥٠	٦٨	فیضی کا کتب خانہ	٨٥
٥٦	جہاں آرا بیگم اور کتاب	〃		**باب دوم محکمہ طب اور شفاخانے**	
	مونس الارواح	〃			
٥٧	آگرہ کی جامع مسجد کا	〃	٦٩	محکمہ طب اور شفاخانے	٨٦
	مدرسہ	〃	٧٠	محمد شاہ تغلق کے عہد کے	٨٧
٥٨	زیب النسا بیگم اور اوس	٥١		شفاخانے۔	〃

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۷۱	فیروز شاہ تغلق کے عہد کے شفاخانے۔	۸۸
۷۲	احمد آباد بدر کا شفاخانہ	〃
۷۳	مانڈو کا شفاخانہ	۸۹
۷۴	امر گرمھا دیدک کی کتاب کا فارسی میں ترجمہ ہونا۔	〃
۷۵	کتاب سالوتر کا ترجمہ۔	〃
۷۶	بھاگ نگر کا شفاخانہ	〃
۷۷	سلاطین مغلیہ کے عہد کے شفاخانے۔	۹۰
۷۸	آگرہ کے شفاخانے	۹۱
۷۹	جہانگیر کا حکم شفاخانوں کی نسبت۔	〃
۸۰	شفاخانہ دہلی۔	۹۲
۸۱	شفاخانہ سورت۔	〃
۸۲	احمد آباد گجرات کا شفاخانہ	۹۳
۸۳	اٹاوہ کا شفاخانہ۔	〃
۸۴	سلطنت مغلیہ کے ناسور	۹۴

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	طبیب ملازموں کی فہرست	۹۵
۸۵	حوض حکیم علی واقع لاہور	۹۶
۸۶	〃 واقع آگرہ	〃
	باب سوم	
	سڑکیں۔ سرائیں۔ نہریں پل۔ تالاب۔ باولیاں وغیرہ	
۸۷	تالاب شمس الدین التمش۔	۱۰۷
۸۸	محمد شاہ تغلق کے عہد کی سڑکیں	〃
۸۹	فیروز شاہ تغلق کے عہد کی نہریں اور تالاب وغیرہ۔	۱۰۸
۹۰	گھڑیال	۱۰۹
۹۱	شیر شاہ کی سڑکیں اور سرائیں	〃
۹۲	سلیم شاہ کی سرائیں	۱۱۰
۹۳	سلاطین مغلیہ کے عہد کے رفاہ عام کے کام	〃
۹۴	پل جونپور۔	۱۱۴

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۸۵	سرائے نور محل	۱۱۵
۸۶	جہاں آرا بیگم کی کاروان سرا	〃
۸۷	فرمانروایان صوبہ مالوہ کی رفاہ عام کی عمارتیں۔	۱۱۶
۸۸	محمد عادل شاہ کی نہر	۱۱۷
۸۹	کشمیر کی نہریں اور پل	۱۱۸
۹۰	نال کا کریہ	〃
۹۱	فرخ آباد کی سرائیں۔	〃
۹۲	خدا گنج اور یاقوت گنج کی سرائیں۔	〃
۹۳	دایم خاں کا پل اور باولی	۱۱۹
۹۴	حکیم مہدی علی خاں کے پل اور سرائیں۔	〃
	باب چہارم	
	لنگر خانے اور خیرات خانے	
۹۵	شیر شاہ سور کے لنگر خانے	۱۲۰
۹۶	سلیم شاہ سور کے لنگر خانے	۱۲۱

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۹۷	خیر پورہ۔ دھرم پورہ جوگی پورہ۔	۱۲۱
۹۸	جہانگیر کے عہد کے لنگر خانے	〃
۹۹	قحط گجرات و دکن اور لنگر خانے۔	۱۲۲
۱۰۱	قحط پنجاب	〃
۱۰۲	عالمگیر کے عہد کے لنگر خانے۔	〃
۱۰۳	رسم تلاوان کی خیرات	۱۲۳
۱۰۴	انوپ تلاؤ کی خیرات	〃
۱۰۵	جہانگیر کی خیرات	۱۲۴
۱۰۶	شاہجہاں کی خیرات	۱۲۵
۱۰۷	عالمگیر کی خیرات	〃
۱۰۸	داؤد شاہ بہمنی کا خیر تخانہ اور یتیم خانہ	۱۲۶
۱۰۹	برہان نظام شاہ کا لنگر خانہ	〃
۱۱۰	ابراہیم قطب شاہ کا لنگر خانہ	〃
۱۱۱	محمد عادل شاہ کے لنگر خانے	〃
۱۱۲	شاہان مالوہ کے لنگر خانے	۱۲۷

باب اول

شرحِ تعلیم۔ علمی فیاضی۔ مدرسے۔ کتب خانے

مسلمانوں کے اقبال کے زمانہ میں جس طرح کہ دیگر ممالکِ اسلامیہ علمی یادگاروں سے معمور تھے اسی طرح ہندوستان بھی علمی فیاضیوں سے جنت نشان ہو رہا تھا آج اگر ہندوستان کی مسلمان بادشاہ اور امیروں کی علمی فیاضیوں کے مفصل حالات قلمبند کئے جائیں تو بلاشبہ ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے اس زمانہ کے ایک ہندو مورخ نے اپنی جدید تالیف میں نہ صرف ان باتونکو قلم انداز کر دیا ہے۔ بلکہ اُلٹا مسلمان بادشاہوں پر الزام لگایا ہے۔ کہ مسلمانوں کے وقت میں مدرسہ جات اور مکتب بہت سے تھے مگر سرکار وقت کی طرف سے کوئی امداد اُن کی نہیں ہوتی تھی[۱]۔

[۱] ہندوستان گذشتہ و حال مطبوعہ ۱۹۱۰ء صفحہ ۳۰۰،۳۰۳

تعجب ہے کہ فاضل مورخ نے ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کی علمی قدردانی سے جس کے ثبوت میں ہزاروں مستند تاریخی شہادتیں موجود ہیں صاف انکار کیا ہے حالانکہ ان بادشاہوں نے عام علمی فیاضیوں کے علاوہ خاص درس و تدریس کیلئے بڑی بڑی عالیشان عمارتیں بنوائیں تھیں۔ اور اُن کے اخراجات کیواسطے دیہات وقف کئے تھے جنکے مختصر حالات ہدیہ ناظرین کئے جاتے ہیں۔

اس موقع پر یہ بات بھی قابل بیان ہے کہ اُس زمانہ میں عام طور سے مسجدوں کے صحن۔ خانقاہوں کے حجرے۔ علما کے مکانات مدرسہ یا دارالعلوم کا کام دیتے تھے۔ لیکن سلطنت کی طرف سے اُن علمار کی جو درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے بڑی عزت اور وقعت کیجاتی تھی۔ اور اُن کے واسطے بڑی بڑی جاگیریں اور وظیفے مقرر ہو جاتے تھے عام طور سے مسلمان اس طریقہ کے ایسے خوگر ہو گئے تھے کہ شاہی مدرسوں میں تعلیم پانے کو موجب جاہ و ثروت حاصل کرنے کا سمجھتے تھے۔ چنانچہ جب نظام الملک طوسی نے بغداد میں مشہور مدرسے نظامیہ کی بنیاد ڈالی اور اس کا حال ماوراالنہر کے علما کو معلوم ہوا تو سب نے مجلس ماتم منعقد کی۔ اور اس بات پر روئے کہ "اب علم، علم کے لئے نہیں بلکہ جاہ و ثروت حاصل کرنے کے لئے سیکھا جائے گا"[۱] یہی وجہ ہے کہ مدرسوں کا طریقہ رواج عام حاصل نہ کر سکا۔ اور ان سادہ اور بے تکلف عمارتوں سے جیسے مجتہد۔ فقیہ۔ ادیب۔ شاعر۔ مصنف مورخ اور دیگر اہل کمال کمال حاصل کر کے نکلے ویسے ان عالیشان عمارتوں (مدرسوں) سے نہ پیدا ہوئے۔

اسلامیہ ممالک میں تعلیم کی وسعت کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی۔ کہ تمام جاگیریں جو تعلیم

[۱] رسائل شبلی صفحہ ۷۹۔

کے متعلق مرحمت ہوتی نہیں علی العموم وقف سمجھی جاتی تھیں۔ اور وقف میں شرعاً کسی کو تصرف کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہے۔ پس جو نیا بادشاہ تخت نشین ہوتا کچھ نہ کچھ اپنی طرف سے اضافہ کرتا تھا۔ اور اگر کوئی عیاش مزاج بادشاہ اضافہ نہ بھی کرتا تو بھی۔ پورانی اوقاف کو تو ضرور قایم رکھتا تھا۔ چنانچہ ہندوستان میں باوجود سلطنت کے پے در پے انقلابوں کے بہت سے پُرانے اوقاف برٹش گورنمنٹ کے عہد تک موجود تھے۔ اور برٹش گورنمنٹ نے بھی براہ معدلت کیشی و رعایا نوازی ان اوقاف کو بدستور سابق مالگذاری سے بری رکھا۔ لیکن عام مسلمانوں کی غفلت اور متولیان وقف کی جہالت سے اِن اوقاف کا بہت بڑا حصہ ضائع ہو چکا ہے۔ اور جو کچھ باقی ہے وہ ضائع ہو رہا ہے۔ میں وثوق کے ساتھ نہیں بیان کر سکتا کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں علمی عمارت کی بنیاد رکھنے میں اولیت کا فخر کس بزرگ کو حاصل تھا۔ لیکن میری محدود تاریخی واقفیت میں اس ملک میں سب سے پہلے جس شخص نے علمی عمارت کی بنیاد ڈالی وہ سلطان شہاب الدین محمد غوری کا مشہور سپہ سالار محمد بختیار خلجی تھا۔ جب اس نے بنگالہ اور بہار فتح کر کے ایک شہر رنگ پور کے نام سے بسایا اور اوس کو اپنا دارالحکومت قرار دیا۔ اور مسجدیں اور عبادت خانے بنائے تو کئی مدرسے بھی رنگ پور اور دیگر شہروں میں تعمیر کرائے۔[1]

اسی شہاب الدین محمد غوری کے دوسرے سپہ سالار ناصر الدین قباچہ والئی ملتان کے عہد میں جب مولانا قطب الدین کاشانی ماوراء النہر سے ملتان میں تشریف لائے تو ناصر الدین مذکور نے ایک مدرسہ اُن کے واسطے تعمیر کرایا۔ مولانا موصوف اپنے عہد کے بے نظیر عالم تھے۔ نماز فجر اُس مدرسہ میں ادا کر کے درس میں مشغول ہوتے تھے۔[2]

[1] تاریخ فرشتہ مقالہ ہفتم ذکر محمد بختیار۔ [2] تاریخ فرشتہ مقالہ دوازدہم ذکر شیخ بہاؤ الدین ذکریا قدس سرہ

ترکوں کے عہد میں جو غلاموں کے خاندان کے نام سے موسوم ہے سلطان شمس الدین التمش۔ سلطان ناصر الدین محمود شاہ۔ سلطان غیاث الدین بلبن کی علمی فیاضیاں۔ محمودی اور سنجری درباروں کی علمی فیاضیوں کا مقابلہ کرتی تھیں بڑے بڑے علما۔ فضلا۔ شعرا۔ ان سرکاروں سے بیش و قرار وظیفے پاتے تھے۔ شمس الدین التمش کے عہد میں جب ناصری نام ایک شاعر ولایت سے دہلی میں آیا۔ اور ۵۳ شعر کا ایک قصیدہ سلطان کی تعریف میں لکھ کر سنایا تو بادشاہ نے ترپن ہزار تنگہ سفید اُس کو انعام میں مرحمت کئے۔[1] اس قصیدہ کا مطلع یہ ہے۔

اے فتنہ از نہیب تو زنہار خواستہ ‌‌ ‌ تیغ تو مال و فیل ز کفار خواستہ

اسی عہد میں امیر روحانی جو اپنے عہد کا بڑا مشہور فاضل تھا۔ بخارا سے ہندوستان میں آیا۔ بادشاہ نے اُس کی بڑی خاطر کی اور وظیفہ مقرر کر دیا۔

سلطان غیاث الدین بلبن کا بڑا بیٹا شاہزادہ محمد سلطان جو ملتان کا حاکم تھا علمی قدردانی اور کمال پروری میں شہرہ آفاق تھا۔ اُس کے عہد میں ملتان رشک بغداد ہو رہا ہے امیر خسروؒ اور امیر حسنؒ کے علاوہ بڑے بڑے باکمال اُس کے دربار میں جمع تھے۔ اس نے دو مرتبہ اپنے مقربوں کو بہت سا روپیہ اور نادر و نایاب تحفے دیکر شیراز میں۔ شیخ سعدیؒ کی خدمت میں روانہ کیا۔ اور نہایت ادب سے لکھا کہ اگر حضور اپنے قدوم میمنت لزوم سے خطۂ ملتان کو رشک گلستان ارم بنائیں تو حضور کے واسطے ایک خانقاہ طیار کرا کر اوس کے اخراجات کے واسطے کچھ دیہات وقف کروں۔ حضرت شیخ نے دونوں مرتبہ ضعف پیری کا عذر تحریر کیا۔ اور ہر بار اپنے ہاتھ سے اپنے کلام کی بیاض مرتب

[1] منتخب التواریخ ملا عبد القادر بدایونی۔

کرکے شاہزادہ کے پاس روانہ کی۔[۹]

معزالدین کیقباد نے باوجود اس کے کہ عیش و عشرت کا پُتلا تھا دہلی میں ایک مدرسہ تعمیر کراکر مدرسہ معزیہ کے نام سے موسوم کیا۔ اس مدرسہ میں مولانا بدرالدین اسحق جو بخارا کے رہنے والے اور علم معقول و منقول میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے مدرس اول تھے۔

غلاموں کے عہد کے بڑے بڑے فضلا میں ملک تاج الدین دبیر۔ شہاب مہمرہ بدایونی۔ امیر فخرالدین عمید تولکی۔ ملا عمادالدین۔ ملا جلال الدین۔ فخرالملک عصامی۔ نورالدین محمد عوفی قاضی منہاج السراج جرجانی صاحب طبقات ناصری۔ اور ملا شمس الدین دبیر بہت مشہور ہیں۔ ملا شمس الدین قبل وزارت کے درس میں مشغول رہتے تھے۔ اونہوں نے مطالعہ خاص کے واسطے ایک حجرہ مخصوص کر رکھا تھا۔ تین صاحب استعداد شاگرد اُس حجرے میں سبق پڑھتے تھے باقی شاگرد اُس کے باہر درس کرتے تھے۔ ان تین شاگردوں میں ایک ملا قطب الدین ناقلہ۔ دوسرے ملا برہان الدین عبدالباقی اور تیسرے حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ تھے۔

خلجیوں کے عہد میں سلطان جلال الدین۔ اور سلطان علاؤالدین کا زمانہ علمی معاملات میں ممتاز رہا ہے۔ سلطان جلال الدین کے زمانہ میں ملا تاج الدین عراقی۔ حضرت امیر خسرو حضرت امیر حسن۔ ملا مؤید جاجرمی۔ ملا مؤید دیوانہ۔ امیر ارسلان کلاہی۔ ملا اختیار الدین۔ قاضی مغیث بانسوی۔ ملا سعد منطقی۔ قاضی خطیب وغیرہ بڑے بڑے فاضل اوس کے مصاحبوں میں داخل تھے۔ سلطان علاؤالدین۔ باوجود اس کے کہ علم سے بالکل بے بہرہ تھا لیکن علما کی قدردانی سب سے زیادہ کرتا تھا۔ اس کے عہد میں حضرت امیر خسرو ہزار تنکہ۔ ماہوار

۹ حیات خسرو صفحہ ۳۱-۵۸۔ تاریخ فرشتہ مقالہ ۱۲ حالات سلطان المشائخ حضرت شیخ فریدالدین شکر گنج رح

تنخواہ پاتے تھے۔ ان کی تصانیف کا سب سے بڑا حصہ اسی بادشاہ کے نام پر ہے۔ شمس العلما مولوی ذکاءاللہ خاں اپنی تاریخ میں اس بادشاہ کے علم اور مذہب کی کیفیت لکھتے ہیں وہ کہ کیا قدرت الٰہی ہے کہ جس بادشاہ کے علم اور مذہب کا یہ حال ہو اُس کے عہد میں اسلام کی وہ رونق ہوئی ہو کہ کسی اور بادشاہ دیندار اور عالم کے عہد میں نہ ہوئی ہو۔ جس بادشاہ کو ذرا رغبت علم کی طرف نہ ہو۔ اُس کے زمانہ میں وہ عالم اور فاضل جمع ہوں کہ جن کا جواب کہیں نہ ہو۔ جو بادشاہ خود ایسا لامذہب ہو اُسی کی بادشاہی میں مسلمانوں کو وہ پابندی احکام شرعی کی اور اتقا اور پرہیزگاری ہو کہ پہلے کبھی ایسی نہ ہوئی ہو۔ اگر اُس کے عہد کے عالموں اور شیوخ الاسلام اور ہر فن کے ماہر اور علم کے اُستاد اور صاحب کمالوں کا حال بیان کیا جائے تو اُس کی اس مختصر کتاب میں گنجایش نہیں۔ حضرت نظام الدینؒ اور امیر خسروؒ کے حالات لکھنے کے واسطے ایک کتاب چاہیے۔

مبارک شاہ خلجی کو باوجود اس کے کہ علمی معاملات سے بالکل دلچسپی نہ تھی لیکن جب حضرت امیر خسروؒ نے مثنوی نہ سپہر اُس کے نام پر لکھکر پیش کی تو اُس نے اس مثنوی کے صلہ میں ہاتھی کے ہموزن زر و جواہر اُن کو مرحمت کیا۔ جس کا ذکر حضرت امیر خسروؒ نے اس مثنوی میں خود کیا ہے۔[۱۰]

تغلقوں کے عہد میں غیاث الدین تغلق۔ محمد شاہ تغلق۔ اور سب سے زیادہ فیروز شاہ تغلق کا زمانہ علمی یادگاروں سے معمور ہے۔ غیاث الدین تغلق سب بادشاہوں سے زیادہ امیر خسروؒ کی خاطر اور وقعت کرتا تھا۔ اُن کی سب سے آخری تصنیف تغلق نامہ اسی بادشاہ کے نام پر ہے۔

۱۰ حیات خسرو صفحہ ۵۲ - ۵۳۔

محمد شاہ تغلق کی نسبت صاحب تاریخ فرشتہ تحریر کرتے ہیں "کہ اُس کی بادشاہی میں اول سے آخر تک علماء اور فضلا اور اہل ہنر اس کے عواطف و مراحم کی امید میں عراق خراسان - ماوراء النہر - ترکستان - اور عرب سے ہندوستان میں آتے تھے - اور امید سے زیادہ مورد انعام اور نوازش ہوتے تھے - اس کی فیاضی کا یہ عالم تھا کہ ایک دن میں ملک سنجر بدخشانی کو اسّی لاکھ روپیہ اور ملک الملوک عماد الدین کو ستر لاکھ تنگہ[1] اور اپنے اُستاد مولانا عضد الدین کو چالیس ہزار تنگہ انعام میں مرحمت کئے - اور مولانا ناصر الدین کامی اور ملک غازی کا جو فضلاء عہد سے تھے لاکھ لاکھ تنگہ سالانہ وظیفہ مقرر تھا - یہ بادشاہ خود بھی جمیع علوم معقول خصوصاً علم طب اور حکمت اور نجوم اور ریاضی اور منطق میں مہارت رکھتا تھا - بیماروں کا خود معالجہ کرتا اور تشخیص مرض میں اطبائے عصر سے طالب علمانہ بحث کرتا تھا - اور سعد منطقی - اور عبید شاعر - اور ملا نجم الدین انتشار اور مولانا علیم الدین شیرازی اور دیگر علماء سے ہم صحبت رہکر کتب متقدمین میں بحث و مباحثہ کیا کرتا تھا"

فیروز شاہ تغلق نے عام علمی فیاضیوں اور امورات رفاہ عام کے علاوہ اپنے ممالک محروسہ کے مختلف مقامات میں تیس عالیشان مدرسے تعمیر کرا کر ان میں عالم - ادیب - خوشنویس متعین کئے - ان مدرسوں میں دینی اور دنیوی دونوں طرح کی تعلیم ہوتی تھی - تمام مدرس اور دیگر ملازمین خزانہ شاہی سے نقد تنخواہ پاتے تھے[2]

لودیوں میں سلطان سکندر لودی کو علمی معاملات میں خاص دلچسپی تھی - اُس نے علماء

[1] - بموجب تحقیقات نظام الدین احمد صاحب طبقات اکبری اس تنگہ سے مراد وہ چاندی کا سکہ ہے جسمیں کچھ حصہ تانبے کا شامل ہوتا تھا - اور ایک تنگہ سوا پیسے میں چلتا تھا -

[2] - تاریخ ہند شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ خاں و فرشتہ وغیرہ -

کو ایسی بڑی بڑی جاگیریں دیں جو پہلے کبھی بڑی سلطنتوں میں بھی نہیں دی گئی تھیں -

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں میں سب سے پہلے اسی بادشاہ نے اپنی ہندو رعایا کی تعلیم کا بندوبست کیا - اس سے پہلے ہندو فارسی کو ملیکش بھاشا کہکر اُس سے متنفر رہے - سلطان سکندر لودی نے اول کائتوں کو فارسی پڑھنے پر آمادہ کیا - اُن کی دیکھا دیکھی اور ہندو قومیں بھی فارسی - عربی پڑھنے لگیں - اور اسی بادشاہ کے عہد میں اُنہوں نے مسلمانوں کے علوم میں ایسی لیاقت حاصل کر لی کہ خود ان علوم کا درس دینے لگے - پنڈت ڈونگر مل تو شاعر ہو گئے جن کا یہ مطلع بہت مشہور ہے ؎

دل خوں نشدے چشم تو خنجر نشدے گر   رہ گم نہ شدے زلف تو ابتر نشدے گر

اس بادشاہ نے مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں کو بھی بہت سی جاگیریں عطا کی تھیں -

سکندر لودی کے عہد میں بڑے بڑے علما اور فضلا مثل ملا سید محمد جونپوری - سید نعمت اللہ حسینی - شیخ عبد اللہ طلبعنی - شیخ عزیز اللہ سنبھلی - شیخ الہدیہ جونپوری - میر سید جلال بدایونی - میاں شیخ گوالیاری - میاں حاتم سنبھلی - مولانا شیخ جمالی کنبو صاحب سیر العارفین - میاں لاڈن - مفتی جمال خاں دہلوی ملک کے مختلف حصوں میں درس و تدریس میں مشغول تھے - صاحب منتخب التواریخ کا بیان ہے کہ صرف شیخ عبد اللہ[1] کے شاگردوں میں چالیس آدمیوں سے زیادہ عالم متبحر ہو گئے - سلطان سکندر اُن کی اس قدر وقعت کرتا تھا - کہ جب اُن کے درس کے وقت آتا تو چپکا ایک کونے میں بیٹھ جاتا تھا - کہ اُن کا اور طالب علموں کا حرج نہ ہو - جب وہ درس سے

[1] شیخ عبد اللہ نے سنہ ۹۲۲ھ میں وفات پائی - اُولٰئِکَ لَهُمْ دَرَجَاتُ الْعُلیٰ اُن کے انتقال کی تاریخ ہے -

سے فارغ ہوتے اس وقت سلام علیک کرکے پہروں اُن کی خدمت میں بیٹھا کرتا تھا۔ شیخ عزیز اللہ بھی بڑے فاضل تھے مشکل کتابوں کا درس بلا دیکھے دیتے تھے۔ اُن کے شاگردوں میں میاں حاتم سنبھلی بہت مشہور ہوئے جنہوں نے اپنی عمر میں تیس مرتبہ سے زیادہ شرح مفتاح اور چالیس مرتبہ مطول اول سے آخر تک پڑہائی تھی۔ ہندوستان میں علم معقول کا رواج نہی۔ شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ کی وجہ سے ہوا۔ اس سے پہلے فقط شرح شمسیہ اور شرح صحائف کا منطق اور کلام میں یہاں رواج تھا۔ شیخ الہدیہ جونپوری کی بھی بہت سی تصانیف مشہور ہیں۔ فقہ میں ہدایہ کا حاشیہ کئی جلدوں میں لکھا ہے۔ اور کافیہ کی شرح بھی بہت اچھی لکھی ہے۔ تفسیر مدارک وغیرہ پر جو حواشی لکھے ہیں وہ اب تک درس میں داخل ہیں۔

شیخ جمالی بھی بہمہ صفت موصوف تھے۔ آدہی رات سے اشراق تک عبادات اور مشاہدات میں مشغول رہتے۔ اور اشراق سے دوپہر تک علما اور صلحا کو درس دیتے تھے۔ اقصائے عالم کی اونہوں نے خوب سیر کی۔ اور زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوے۔ جب اس سفر سے دہلی واپس آے اُس وقت سلطان سکندر سنبھل میں مقیم تھا۔ آپ کی واپسی کا حال سنتے ہی شوق ملاقات نے بیچین کر دیا۔ بہ اشتیاق تمام نامہ منظومہ بدستخط خاص لکھکر شیخ کی طلب میں روانہ کیا۔ اور مثنوی مہر و ماہ جو شیخ کی تصنیف سے تہی منگائی۔ وہ رقعہ یہ ہے

آں مخزن گنج لایزالی — وے سالک راہ دیں جمالی ے
در گرد جہاں بسے زدہ سیر — در منزل خود رسیدہ بالخیر
بودے تو مسافرِ زمانہ — الحمد کہ آمدی بہ خانہ

در مکہ و در مدینہ گشتی — گوہر بودی خزینہ گشتی
اے شیخ بما برس بزودی — بسیار مسافرت نمودی
بکشائے بسوئے در گہم گام — تا در یابی ز گلرخی کام
چشم بہ جمال تو طپان است — دل مرغ مثال در فغان است
من اسکندر، تو خضر مائی — آں بہ کہ بسوئے ما بیائی
در شیخ ز دوستاں نہ شد سیر — تشریف نمودنش کشد دیر
باید کہ کتاب مہر و ماہم — ارسال دہد چنانکہ خواہم

از مہر کشد دو دیدہ را نور
آں مہ نشود ز دیدہ ام دور

شیخ جمالی نے اس کے جواب میں رقعہ منظومہ تحریر کرکے مثنوی مہرماہ بادشاہ کے پاس بہیجدی۔ کتاب اور خط کو دیکھکر بادشاہ کا شوق اور بڑہا۔ اور شیخ جمالی کے پیر حضرت شیخ سمار الدین ؒ کے ذریعہ سے پھر اُن کو طلب کیا حضرت نے شیخ کو سنبھل روانہ کیا جب سنبھل کے نزدیک پہنچے بادشاہ دو تین کوس تک خود استقبال کے واسطے آیا۔ اور نہایت اعزاز و اکرام سے اپنے ساتھ لے گیا۔ اور اپنی زندگی تک پھر جدا نہیں ہونے دیا ۱ؔ

مولانا جمالی نے ایک قصیدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں لکھا ہے اُس میں فرماتے ہیں۔ بیت

موسیٰ ز ہوش رفت بیک پرتو صفات — تو عین ذات مے نگری در تبسمی

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ بعض صلحا کو حضور سرور

ے۱ - المشاہیر صفحہ ۲۱۴-۲۱۵-

کائنات[۱] سے اس بیت کے مقبول ہونے کی بشارت ہوئی ہے۔ اور آپ نے نہایت خوشی سے فرمایا "ہذا المدحی" یعنی یہ میری سچی صفت ہے۔

شیر شاہ سوری اور سلیم شاہ

شیر شاہ سور اور سلیم شاہ سور دونوں عالموں اور فاضلوں کے ساتھ نہایت اعزاز و اکرام کا برتاؤ کرتے تھے۔ جب شیر شاہ کو یہ حال معلوم ہوا کہ آئمہ اور مخادیم سلطان ابراہیم کے بعد عمال کو رشوت دے کر اپنے استحقاق سے زیادہ زمین پر متصرف ہو گئے ہیں تو اس نے خود تحقیقات کی اور جس کا جو حق تھا وہ دیدیا اور کسی کو محروم نہیں رکھا اور سب کو زاد راہ دے کر رخصت کیا۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا "کہ بادشاہ کو لازم ہے کہ وہ علما اور فضلا کی مدد معاش مقرر کرے کیونکہ ہندوستان کے شہروں کی رونق اور آبادی ان ہی لوگوں سے ہے جو طالب علم اور مسافر بادشاہ تک نہیں پہنچ سکتے وہ اِن سے فیض پاتے اور فائدہ اُٹھاتے ہیں اُن سے حکمت و دین کے علوم کو رونق ہوتی ہے[۱]"۔

شیر شاہ سور اپنے عہد کے سب سے بڑے فاضل شیخ بڈہ کی اس قدر وقعت کرتا تھا کہ خود اُن کی جوتیاں سیدھی کر کے اُن کے سامنے رکھتا تھا۔ ملک محمد جائسی نے ۹۴۷ھ میں بھاکا زبان میں بے نظیر کتاب پدماوت اسی بادشاہ کے نام پر لکھی ہے۔ اس میں بادشاہ کی تعریف اس بیت سے شروع کی ہے۔

شیر شاہ دہلی سلطانوں	چارہنہ کھنڈ تپے جس بھانوں
ترجمہ۔ شیر شاہ دہلی کا بادشاہ ہے	چاروں طرف جہاں کو روشن ہے مثل آفتاب کے

سلیم شاہ کے عہد کے علماء میں شیخ عبدالحئی اور شیخ علائی بہت مشہور ہیں۔ انہیں شیخ عبدالحئی بادشاہ کے مصاحبوں میں داخل تھے۔

[۱] تاریخ ہند شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ خاں۔

شاہان بہمنیہ

دکن کے شاہان بہمنیہ علمی سخاوتوں میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ ان کی علمی قدر دانی اور کمال پروری کا شہرہ سن کر عرب و عجم کے علما۔ صلحا۔ فقرا۔ شعرا۔ مشائخ ان کے درباروں میں چلے آتے تھے۔ اور دریا مثال ہاتوں سے سیراب ہو کر بقیہ عمر کو عیش و آرام اور درس و تدریس میں بسر کرتے تھے۔

حضرت خواجہ حافظ شیرازی کا دکن آنیکا قصد کرنا

سلطان محمود شاہ بہمنی کے عہد میں ایران کا ایک شاعر دکن میں آیا۔ اور بادشاہ کی تعریف میں قصیدہ لکھکر میر فیض اللہ انجو کے ذریعہ سے جو عہدے صدارت پر سرفراز تھے دربار میں پیش کیا۔ بادشاہ نے اسی وقت ایک ہزار اشرفیاں انعام میں دیں۔ جب وہ ایران واپس گیا اور وہاں بادشاہ کی علمی قدردانی کا حال بیان کیا تو حضرت خواجہ حافظ شیرازیؒ نے بھی دکن کا قصد کیا۔ لیکن بعض موانع کے سبب سے جب آپ کے تشریف لانے میں تامل ہوا۔ اور یہ خبر میر فیض اللہ کے ذریعہ سے بادشاہ کو معلوم ہوئی تو کچھ روپیہ زاد راہ کے واسطے خواجہ کی خدمت میں روانہ کر کے لکھا "کہ اگر آپ دکن کو اپنے وجود فیض بخش سے رشک روضۂ رضواں بنا دیں تو اہالی اس دیار کے شکر قدوم میمنت لزوم بجالا دیں اور بعد حصول نقد مطالب و مقاصد آپ کو بہ خیر و سعادت شیراز کی طرف روانہ کریں"۔ اس خط اور خرچ کے پہنچنے پر حضرت خواجہ نے سامان سفر درست کر کے ہندوستان کا قصد کیا اور شیراز سے بندر ہرمز میں آئے۔ جب جہاز محمود شاہی میں جو دکن سے خواجہ کے لینے کے واسطے آیا تھا سوار ہوئے اتفاق سے بادِ مخالف کے چلنے سے سمندر میں جوش اور طلاطم پیدا ہوا۔ یہ حال دیکھکر خواجہ کو بحری سفر سے نفرت پیدا ہوئی۔ اور دوستوں سے ملنے کا بہانہ کر کے جہاز پر سے اُتر پڑے۔ اور ایک غزل موزوں کر کے ایک شخص کے ہاتھ میر فیض اللہ انجو کے پاس بھیجدی۔ اس غزل کے چند شعر یہ ہیں۔

دمے باغم بسر بردن جہاں یکسر نمی آرزد — بہ مے بفروش دلق ما کزیں بہتر نمی آرزد

شکوہ تاج سلطانی کہ بیم جاں درو درج است — کلاہ دلکش ست اما بترک سر نمی آرزد

بسے آساں نمود اول غم دریا ببوئے زر — غلط کردم کہ یک موجش بصد من زر نمی آرزد

چو حافظؔ در قناعت کوش وازدنیائے دوں بگذر

کہ یک جو منت دوناں جہاں یکسر نمی آرزد

جب بادشاہ کو یہ معلوم ہوا تو ملا قاسم مشہدی کے ہاتھ جو فضلائے عہد سے تھا ہزار اشرفیاں نقد اور دیگر تحالیف خواجہ کے واسطے شیراز کو روانہ فرمائے۔

اس بادشاہ نے اپنے تمام قلمرو میں علما اور محدثین کے نقد وظیفے مقرر کر دیے تھے۔ اور اُن کی تعظیم وتکریم بھی بہت کرتا تھا۔ سلطان فیروز شاہ بہمنی کے دربار میں ہر مذہب وملت کے علما بیش قرار تنخواہوں پر مقرر تھے۔ اس کو علمی معاملات سے اس قدر دلچسپی تھی کہ ہفتہ میں تین دن یعنی شنبہ۔ دوشنبہ۔ چہارشنبہ کو خود طالبعلموں کو درس دیتا تھا۔ اگر کسی دن امورات ملکی کی وجہ سے دن کو فرصت نہ ہوتی تھی تو رات کو طالب علموں کو بلا کر درس اور فیض رسانی میں مشغول ہوتا تھا۔ علما اور مشائخ کا اس قدر قدردان تھا کہ اُن سے برادرانہ سلوک رکھتا تھا۔ اور اُن سے ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ میں جس وقت تخت پر متمکن رہتا ہوں اپنے آپ کو بادشاہ سمجھتا ہوں۔ اور جب آپ لوگوں سے ہم صحبت ہوتا ہوں تو اپنے آپ کو مثل آپ لوگوں کے سمجھتا ہوں۔ پس جیسا کہ تم لوگ آپس میں بے تکلفانہ برتاؤ رکھتے ہو ویسا ہی میرے ساتھ بھی رکھو۔

فیروز شاہ بہمنی

فیروز شاہ بہمنی علم وفضل میں محمد شاہ تغلق سے بڑھا ہوا تھا۔ عربی۔ فارسی۔ ترکی۔ فرنگی چرکسی۔ روسی۔ گرجی۔ تلنگی۔ افغانی۔ بنگالی۔ گجراتی۔ مرہٹی وغیرہ سب زبانیں جانتا تھا

توریت وانجیل کو بخوبی پڑھ سکتا تھا۔ ریاضی میں بہت اعلیٰ درجہ کی لیاقت رکھتا تھا۔ آخر سنہ ۸۱۰ھ میں دولت آباد میں ایک رصد تعمیر ہونے کا حکم دیا اور حکیم حسن گیلانی کو جو اُس عہد کا بڑا فاضل تھا اس کا اہتمام سپرد کیا۔ مگر حکیم مذکور کے جلد مرجانے سے یہ کام ناتمام رہا۔ ملا داؤد بیدری نے کتاب تحفۃ السلاطین اسی بادشاہ کے نام پر لکھی ہے۔

ملک التجار محمود گاوان وزیر سلطان محمد شاہ بہمنی

محمد شاہ بہمنی کا وزیر ملک التجار محمود گاوان جو خطاب خواجہ جہاں سے موصوف اور جود وکرم ہمت وحوصلہ میں بے نظیر اور بڑا علم دوست شخص تھا۔ ایک مرتبہ جب دو تین برس کی فتوحات کے بعد احمد آباد بدر میں واپس آیا تو بادشاہ اُس کے مکان پر رونق افروز ہوا اور نہایت اعزاز واکرام بڑھا کر ایک ہفتہ کے بعد اپنے دولت خانہ کو واپس گیا۔ اُس کے جانے کے بعد خواجہ جہاں ایک حجرے میں داخل ہوا اور دروازہ بند کر کے لباس فاخرہ اُتارا اور پھٹے پرانے کپڑے پہن کر بہت رویا۔ اس کے بعد حجرے سے برآمد ہو کر جمیع علما اور فضلا۔ اور سادات احمد آباد مذکور کو جو استحقاق رکھتے تھے طلب کیا۔ اور نقد وجنس اور جواہر اور متاع نفیسہ سے جو کچھ اپنی ملکیت میں رکھتا تھا سوائے اسپ فیل اور کتب کے سب کو اُن میں تقسیم کر دیا اور کہا کہ الحمدللہ کہ میں نے نفس امارہ کے ہاتھ سے رہائی پائی جب ملا شمس الدین محمد نے جو اعیان جرجان سے تھے اور خواجہ کی مصاحبت میں رہتے تھے یہ سوال کیا کہ آپ نے اپنا کل مال واسباب تو خیرات کر دیا لیکن گھوڑے۔ ہاتھی اور کتابیں رہنے دیں۔ اس میں کیا بھید ہے۔ تو خواجہ نے جواب دیا کہ جس وقت بادشاہ میرے مکان پر تشریف لائے اور مخدومۂ جہاں (بادشاہ کی ماں کا نام یا خطاب تھا) نے مجھے بھائی کہا اُس وقت نفس امارہ کی سرکشی سے بادۂ نخوت کا جوش دماغ میں پیدا ہوا۔ لیکن توفیق ایزدی نے مدد کی اور نفس امارہ کی تنبیہ وتادیب

میں مشغول ہوا اور اسی وجہ سے میں نے اپنے جمیع اسباب تجمل کو کہ غرور و نخوت کا باعث تھا۔ اپنے پاس سے علیحدہ کر دیا۔ لیکن چونکہ تمام کتابیں طالب علموں پر وقف ہیں اور ہاتھی گھوڑے سلطان سے تعلق رکھتے ہیں اور چند روزہ عاریتاً میرے پاس ہیں اس وجہ سے ان دونوں چیزوں کے علیحدہ کرنے کا مجھے کوئی استحقاق حاصل نہ تھا۔

خواجہ جہاں نے اپنی عہد امارت میں احمد اباد بیدر میں ایک عالیشان مدرسہ تعمیر کرایا تھا۔ ملا سامعی نے اس کی تاریخ بنا میں یہ قطعہ موزوں کیا تھا۔ قطعہ

ایں مدرسۂ رفیع محمود بنا چوں کعبہ شدہ ست قبلۂ اہل صفا

آثار قبول بیں کہ شد تاریخش۔ از آیت ربنا تقبل منّا

صاحب تاریخ فرشتہ لکھتے ہیں کہ وقت تحریر اس کتاب تک کہ ۱۰۲۳ھ ہیں یہ مدرسہ اور اُس کی مسجد اور چار طاق اور بازار بزرگ موجود ہیں اور اس مدرسہ کی نفیس اور پاکیزہ عمارت کو دیکھکر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابہی معماران چابک دست نے اُس کی تعمیر سے ہاتھ کھینچا ہے۔

خواجہ موصوف خود بہی۔ جمیع علوم عقلی و نقلی خصوصاً علم ریاضی اور طب میں اتصاف رکھتے تھے اور نظم و نثر اور انشار میں اپنے زمانہ میں بے نظیر اور خط سیاق خوب لکھتے تھے۔ روزانہ مہمات ملکی سے فارغ ہوکر اپنے مدرسہ میں آتے اور علما اور فقرا سے محبت رکھتے تھے اور سب کو خفیہ طور سے ہزاروں روپئے۔ اشرفیوں اور دولت سے مالا مال کرتے رہتے تھے۔ ہندوستان کے علاوہ ایران و توران۔ عرب۔ عجم کے فضلائے عصر کے واسطے تحفہ تحائف اور زر نقد بھیجتے رہتے تھے۔

مولانا عبد الرحمٰن جامی رح سے برابر خط و کتابت جاری رہتی تھی قصائد مولانا جامی میں

ایک قصیدہ خاص خواجہ موصوف کے نام پر ہے جس کا مطلع یہ ہے۔

مرحبا اے قاصد ملک معانی مرحبا
الصلا کر جان و دل نزل تو کردم الصلا

اسی قصیدہ میں ایک بیت یہ بہی ہے بیت

ہم جہاں را خواجہ و ہم فقر را دیباچہ اوست
آیت القصر لاکن تحت استار الغنا

خواجہ موصوف اپنی کُل آمدنی کو جو ملازمت اور تجارت ممالک غیر سے حاصل ہوتی تھی اس تفصیل سے خرچ کرتے تھے۔ کہ ملازمت سے جو روپیہ حاصل ہوتا تھا اُس میں سے ایک مہینہ کا گھوڑے۔ ہاتھی اور سپاہ کا خرچ نکال کر خزانہ موسومہ خزانہ شاہ میں جمع کر لیتے تھے۔ باقی اسی وقت فقرا اور مستحقین کو بانٹ دیتے تھے اور اُس میں سے ایک حبّہ اپنے صرف خاص میں نہ صرف کرتے تھے۔ اور شاہی ملازمت سے قبل چالیس ہزار لاری اُن کے پاس موجود تھے اُس سے ہر سال تجارت ہوکر جو منافع ہوتا اُس میں سے ہر روز بارہ لاری اپنے صرف میں اُٹھاتے بقیہ سے نصف خزانہ بحق درویشاں میں جمع کرکے اُس سے علما۔ فضلا اور طالب علموں کی امداد کرتے اور نصف کو اپنی والدہ اور دیگر عزیزوں اور گوشہ نشینوں اور متوکلوں کے پاس جو ہندوستان میں نہ آئے تھے بھیج دیتے تھے۔

اس مدرسہ میں تین ہزار جلدیں کتابوں کی موجود تھیں۔ جو کل طلبائے مدرسہ پر وقف تھیں۔

خاندان بہمنیہ کے عہد کے بڑے بڑے فضلا میں شیخ عین الدین بیجاپوری شیخ محمد سراج میر فضل اللہ انجو۔ ملا شرف الدین ماژندرانی۔ شیخ آذری صاحب بہمن نامہ۔ ملا نظیری ملا سامعی۔ ملا عبد الکریم ہمدانی۔ صاحب تاریخ محمد شاہی۔ ملا صدر جہاں شوستری۔

ملا داؤد بیدری۔ ملا قاسم ہندی۔ مولانا شمس الدین حقگو۔ حکیم حسن گیلانی۔ سید محمد گازرونی ملا اسحٰق سرہندی۔ میر نور اللہ وغیرہ بہت مشہور ہیں سلطان محمد شاہ کے عہد میں۔ شیخ زین الدینؒ جو حضرت شیخ برہان الدینؒ کے بھانجے اور مرید تھے دولت آباد میں مقیم تھے۔ انہوں نے بعض مناہی کے ارتکاب کی وجہ سے بادشاہ سے بیعت نہ کی تھی۔ بادشاہ نے ان کے پاس آدمی بھیجکر پیغام دیا کہ یا تو میرے دربار میں حاضر ہو جیئے یا میری خلافت پر بیعت کر کے نوشتہ بدستخط خاص لکھ بھیجیے۔ شیخ نے جواب دیا "کہ کسی زمانہ میں اتفاق سے ایک دانشمند۔ ایک سید۔ ایک ہیجڑا ساتھ ساتھ جا رہے تھے راستہ میں کفار کے دستِ ظلم میں گرفتار ہو گئے۔ وہ ان تینوں کو بتخانہ میں لیگئے اور حکم دیا کہ جو شخص بت کو سجدہ کرے اُسے جان کی امان ہے ورنہ قتل کیا جائیگا۔ دانشمند آیتہ کریمہ پر عمل کر کے بت کا سجدہ بجا لایا۔ اور سید نے بھی اُس کی تقلید کی۔ جب ہیجڑے کی نوبت آئی وہ بولا کہ میں تمام عمر اعمال ناشائستہ میں مشغول رہا ہوں نہ عالم ہوں نہ سید کہ اس کی پناہ میں ایسا کام کروں۔ پھر قتل ہونا اپنا قبول کر کے بت کو سجدہ نہ کیا۔ اب میرا بھی قصہ بعینہٖ اُسی ہیجڑے کے قصہ کے موافق ہے کہ تیرے ظلموں کا متحمل ہوں گا لیکن نہ تیری مجلس میں حاضر ہوں گا نہ تیری خلافت کا اقرار کروں گا" آخر کار بادشاہ پشیمان ہوا اور صدر الشریف کے ہاتھ اپنے ہاتھ سے یہ مصرعہ لکھکر شیخ کے پاس بھیجا۔ مصرعہ

من زان توام تو زاں من باش۔ شیخ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ اگر بادشاہ حفظ مراتب اور مراسم شریعت محمدی میں کوشش کرے زین الدین فقیر سے زیادہ کوئی اُسے دوست نہ رکھے گا۔ اور یہ رباعی اپنے دستِ مبارک سے تحریر کر کے بادشاہ کے پاس بھیجی۔ رباعی

تا من بزیم بجز نکوئی نہ کنم	جز نیک ولی ونیک خوئی نہ کنم
آنہا کہ بجائے ما بدیہا کردند	تا دست رسد بجز نکوئی نہ کنم

اس پر بادشاہ نے شراب فروشی کی دوکانیں اپنے ممالک محروسہ سے بند کرا دیں اور رہزنی اور ڈکیتی کا ایسا انتظام کیا کہ چوروں اور ڈاکوؤں کا نام ونشان باقی نہ رہا۔ اس کے بعد سے بادشاہ اور شیخ میں برابر خط وکتابت جاری رہی اور وہ بادشاہ کو اسی قسم کی ہمیشہ نصیحتیں کرتے رہے۔

خاندان بہمنیہ کے زوال کے بعد دکن میں عادل شاہی۔ نظام شاہی قطب شاہی برید شاہی۔ عماد شاہی کے نام سے پانچ بڑی چھوٹی سلطنتیں قایم ہو گئیں۔ ان خاندانوں کے بھی اکثر فرمانروا علم اور اہل علم کی قدردانی میں مشہور ہیں۔ اسمٰعیل عادل شاہ والئے بیجاپور نے ایک دن میں پچاس ہزار ہوں۔ سید احمد ہروی کے معرفت علماے بیجاپور میں تقسیم کرلیے۔ جب اُس کے دربار میں مولانا شمید شاعر قمی جو علم وفضل اور کمالات شاعری میں بے نظیر تھا گجرات سے وارد ہوا تو اُس نے اسے حکم دیا کہ خزانہ میں جا کر جس قدر زر تجھ سے اُٹھ سکے اٹھالا مولانا نے بادشاہ سے عرض کیا کہ میں سفر کی وجہ سے نحیف ہو رہا ہوں اور جس دن گجرات سے چلا تھا آج سے دوچند طاقت رکھتا تھا اگر شاہ سخن پرور نکتہ فہم از راہ ذرہ پروری بعد چند روز کے اس خدمت روح پرور پر سرفراز فرمایئے تو عواطفِ خسروانی سے بعید نہ ہوگا۔ بادشاہ نے ہنسکر کہا کہ کیا تو نے یہ مصرعہ نہیں سنا۔ مصرعہ

کہ آفتہا ست در تاخیر وطالب از یاں دارد

جا اور دو مرتبہ جس قدر اٹھایا جاوے خزانہ سے اٹھالا۔ مولانا یہ حکم سُن کر دربار سے خزانہ

میں پہنچے۔ اور دو مرتبہ میں پچیس ہزار ہون طلائی اٹھا لائے (۱)

محمد عادل شاہ کے زمانہ میں آثار شریف اور جامع مسجد بیجاپور میں دو دو مدرسہ علوم عربی کے اور ایک ایک مدرسہ فارسی اور کئی مکتب تعلیم قرآن کے جاری تھے۔ غریب طلبا کو صبح و شام کھانا بھی ملتا تھا۔ صبح کو روٹی۔ اور گوشت اور کھچڑی اور شام کو بریانی مزعفر۔ شیرینی وغیرہ خوراک میں ملتی تھی۔ اس کے علاوہ ہر طالب علم کو ایک ہون ماہوار کتابوں وغیرہ کی خرچ کے واسطے ملتا تھا۔ سال کے اختتام پر ذالحجہ کے مہینہ میں لڑکوں کا امتحان لیا جاتا تھا۔ اور امتحان کے بعد حسب لیاقت انعام میں نقد ہون تقسیم ہوتے تھے۔ اور انہی کامیاب طالب علموں کو حسب لیاقت سرکاری نوکریاں بھی دی جاتی تھیں (۲)

ان کے علاوہ تمام ممالک محروسہ کی بڑی بڑی مسجدوں میں مدرسے جاری تھے۔ جن میں طالب علموں کے اخراجات کے واسطے جاگیریں مقرر تھیں اور خوراک اور پوشاک کا بندوبست سرکار سے ہوتا تھا۔

برہان نظام شاہ والئی احمد نگر نے قلعہ احمد نگر کے سامنے شاہ طاہر کے واسطے ایک عظیم الشان مدرسہ تعمیر کرا کر اُس کو لنگر دوازدہ امام کے نام سے موسوم کیا۔ اور قصبہ جونپور اور شنور اور راسیاپور اور چند گاؤں اس کے اخراجات کے واسطے وقف کئے (۳)

دوسرا عالیشان مدرسہ اسی بادشاہ نے احمد نگر میں بغداد کے نام سے تعمیر کرایا۔ اسی مدرسہ

ف۱۔ (تاریخ فرشتہ) ممکن ہے کہ اس میں کچھ مبالغہ ہو۔

ف۲۔ تاریخ دکن جلد سوم مطبوعہ مفید عام آگرہ۔

ف۳۔ فرشتہ۔

کے قریب شاہ حسین نظام شاہ نے اپنے عہد میں ایک مسجد کی بنا ڈالی جو مرتضیٰ نظام شاہ کے ابتدائی عہد میں قاضی بیگ طہرانی کے اہتمام سے تیار ہوئی (۱)۔

برہان نظام شاہ کے دربار میں بڑے بڑے علما اور فضلا جمع تھے۔ ۹۲۸ھ میں اُس نے حضرت شاہ طاہر حسینی کو جو اُس عہد میں فرقۂ امامیہ کے سب سے بڑے عالم اور بزرگ تھے قلعہ پرینده سے طلب کیا اور قلعہ احمد نگر کی جامع مسجد کے مدرسہ میں درس دینے کا مستدعی ہوا۔ اور جب برہان نظام شاہ نے مذہب شیعہ اختیار کر لیا تو شاہ طاہرؒ نے ایران کے بڑے بڑے علما اور فضلا مثلاً مُلّا محمد امامی استرآبادی۔ شاہ جعفر۔ مُلّا شاہ محمد نیشاپوری۔ مُلّا علی استرآبادی۔ مُلّا رستم جرجانی مُلّا علی مازندرانی۔ مُلّا ایوب ابوالبرکات۔ مُلّا عزیز اللہ گیلانی۔ سید حسن مدنی وغیرہ کو احمد نگر بلا کر احمد نگر کو گلستانِ ارم بنا دیا۔ برہان نظام شاہ نے سب کو بڑی بڑی جاگیریں مرحمت کر کے اپنی علمی فیاضی کا ثبوت دیا۔ اور ان لوگوں کے آنے سے ملک میں تعلیم کا بہت چرچہ پھیل گیا۔

ابراہیم قطب شاہ والئی گولکنڈہ نے اپنی دارالخلافت میں کئی مدرسے تیار کرائے تھے (۲)

جب سلطان محمد قلی قطب شاہ نے گولکنڈہ کے پاس بھاگ نگر (حیدر آباد) آباد کیا اور اُس میں مسجد اور حمام اور شفاخانے تعمیر کرائے تو کئی مدرسے بھی بنوائے۔ تمام استادوں کو خزانہ شاہی سے تنخواہیں ملتی تھیں (۳)

ف۱۔ فرشتہ

ف۲۔ تاریخ ہند شمس العلماء ذکاء اللہ خاں ف۳۔ تاریخ ہند شمس العلماء ذکاء اللہ خاں۔

عبداللہ قطب شاہ والئی گولکنڈہ کا پیشوا شیخ محمد خاتون بڑا ذی علم اور اہل علم کا قدردان تھا۔ خدمات شاہی کے انجام دینے کے بعد درس و تدریس میں مشغول رہتا تھا۔ روزانہ صبح کے وقت علما۔ فضلا۔ شعرا اُس کے یہاں جمع ہوتے تھے۔ اور کتب تفسیر۔ حدیث۔ فقہ۔ حکمت۔ ریاضی۔ منطق وغیرہ اُس سے پڑھتے تھے۔ شنبہ کے دن تعطیل رہتی تھی اُس دن تمام ارباب کمال حاضر ہوتے اور علمی بحث و مباحثہ میں مشغول رہتے تھے۔ عبداللہ قطب شاہ کا داماد سید احمد ریاضی میں اعلیٰ درجہ کی مہارت رکھتا تھا اور اسی وجہ سے ماہرین علم ریاضی کا بڑا قدردان تھا۔ جب پادری افراہیم ۱۰۶۲ھ میں پیگو کے ارادہ سے گولکنڈہ آیا۔ اور سید احمد کو معلوم ہوا کہ وہ ریاضی میں بہت ہوشیار ہے تو اُس کو اپنے پاس رکھنا چاہا اور کہا کہ اپنے پاس سے آپ کے رہنے کے واسطے مکان اور عبادت کے واسطے گرجا بنوا دوں گا۔ اور چونکہ پرتگال اور امریکہ سے بہت سے عیسائی تجار آتے رہتے ہیں لہذا یہاں بھی آپ خالی نہ رہیں گے۔ لیکن پادری نے ٹھیرنا منظور نہ کیا اور سید احمد کا عطیہ خلعت لیکر چلدیا[1]۔

صوبہ مالوہ کے فرمانروایان خلجی کے عہد میں شادی آباد مانڈو علم و فضل کا مرکز ہو رہا تھا سلطان محمود خلجی کے زمانہ میں تمام صوبہ مالوہ علمی یادگاروں سے معمور ہو گیا۔ اُس کی علمی قدردانی اور کمال پروری کا یہ حال تھا۔ کہ جس مقام میں کسی اہل علم اور اہل کمال کا حال سنتا زر نقد بھیجکر اُسے فوراً طلب کر لیتا تھا اُس کے ایام سلطنت میں تمام ممالک محروسہ میں مدرسے جاری تھے۔ جن میں علما فضلا اور طلبا کے بیش قرار وظیفے مقرر تھے۔ اور ان علمی فیاضیوں سے تمام ملک شیراز و سمرقند ہو رہا تھا۔

[1] - تاریخ دکن جلد سوم سلسلہ آصفیہ۔

سلطان کی علمی یادگاروں کے دو تین نشانات صوبہ مالوہ میں اب تک موجود ہیں اُن میں ایک اجین کا مدرسہ ہے۔ اس کی نسبت صاحب ترک افغانی[1] لکھتے ہیں: "یہاں ایک مدرسہ عالیشان بادشاہی تھا جس کے حجرات جواب باقی ہیں اُنہیں راقم نے بیل بندھے ہوئے دیکھے اور مدرسہ کی مسجد میں گھانس بھری ہوئی پائی" ایک عالیشان مدرسہ جامع مسجد مانڈو کے مشرقی دالان میں تھا اُس کے بھی نشانات اب تک موجود ہیں۔

ایک عالیشان مدرسہ سارنگ پور میں تھا۔ اس کی بھی کچھ ٹوٹی ہوئی عمارت باقی ہے۔ اس مدرسہ میں کتبہ بھی کندہ تھا جس کا پتھر ٹوٹ گیا۔ اور درمیان کی عبارت تلف ہو گئی جس قدر باقی ہے وہ یہ ہے "بناء ہذا المدرسہ فی عہد السلطان الاعظم معین الدنیا والدین محمود شاہ الخلجی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ۔ فی عمل ملک مدایخاں الثانی والعشرین من شہر ربیع الاول سنہ سبع و تسعین و ثمان مائتہ"۔

سلطان غیاث الدین خلجی نے ظفرآباد نعلچہ میں ایک مدرسہ بنوایا تھا جو سلطان محمود ثانی کے عہد تک موجود تھا۔

سلطان مظفر شاہ گجراتی اہل علم کا بڑا قدردان تھا۔ اس کے عہد میں ایران و توران اور روم و عرب کے عالم فاضل اُس کی قدردانی کی شہرت سُن کر گجرات میں چلے آتے تھے۔ اسی کی عہد میں مشہور خوشنویس محمود سیاوش شیراز سے گجرات میں آیا تھا۔

بنگالہ کے خود مختار حکمرانوں میں سلطان غیاث الدین کو علمی قدردانی کا بڑا جوش تھا۔ اس نیک نیت اور بلند حوصلہ بادشاہ نے مکہ معظمہ میں مدرسہ قایم کرنے کے لئے

[1] سنہ ۱۲۹۸ھ کی تالیف ہے۔

اپنے خادم یاقوت نام کو مولانا حسن بن عجلان شریف مکہ کے پاس زرِ خطیر دے کر روانہ کیا۔ یاقوت نے شریف کی اجازت سے باب امہانی کے قریب بارہ ہزار مثقال میں دو مکان خرید کرکے مدرسہ بنوانا شروع کیا۔ رمضان سنہ ۸۱۳ھ میں مدرسہ کی تعمیر شروع ہوئی اور ماہ صفر سنہ ۸۱۴ھ میں انجام کو پہنچی۔ مدرسہ کے متعلق بہت سے ایوانات اور مکانات تیار ہوئے اور اس کے آیندہ کے اخراجات کے واسطے جائداد خرید کر کے وقف کی گئی۔ ۷ محرم سنہ ۸۱۴ھ کو یہ مدرسہ بڑی شان و شوکت سے کھولا گیا۔ ساٹھ طالب علم اسی وقت مدرسہ مین داخل ہوئے اور سب کے لئے وظیفہ مقرر ہوا۔ چاروں مذہب کے مدرس مقرر تھے۔ اور ہر ایک کے درس کا الگ الگ وقت مقرر تھا۔ صاحب خزانۂ عامرہ[1] لکھتے ہیں کہ یہ مدرسہ اب تک موجود ہے۔ اور مین نے قیام مکۂ معظمہ میں خود جا کر اس کو دیکھا تھا۔ سلطان غیاث الدین نے اس مدرسے کے علاوہ چار مدرسہ مکۂ معظمہ میں اور قایم کئے تھے[2]۔

سلیمان کرانی

سلطان غیاث الدین کی علمی قدر دانی کا حال سن کر خواجہ حافظ شیرازیؒ نے بھی ایک غزل موزوں کر کے اس کے پاس بھیجی تھی۔ سلطان موصوف نے اس کے صلے میں بہت سا زرِ نقد خواجہ کے پاس روانہ کیا۔ اس غزل کی دو شعر یہ ہیں

شکر شکن شوند ہمہ طوطیانِ ہند	زین قند پارسی کہ بہ بنگالہ میرود
حافظ ز شوقِ مجلسِ سلطان غیاث الدین	غافل مشو کہ کارِ تو از نالہ میرود

بنگالہ کا آخری خود مختار فرمانروا سلیمان کرانی بڑا صاحبِ دل اور پرہیزگار تھا۔ ڈیڑھ سو عالم اور مشایخ اس کی صحبت میں رہتے تھے۔ اوس کا قاعدہ تھا کہ ہمیشہ پچھلی رات

[1] سنہ ۱۱۷۶ھ کی تالیف ہے۔ [2] رسائل شبلی و خزانہ عامرہ۔

سے اٹھتا تھا۔ نماز تہجد جماعت سے پڑھتا تھا۔ صبح تک قال اللہ و قال الرسول سے صحبت نورانی رہتی تھی۔ تفسیر اور حدیث اور ذکر الٰہی سنتا رہتا تھا۔ صبح کی نماز پڑھکر مہمات ملکی۔ سپاہ و رعیت کے مقدمات۔ حساب کتاب لین دین کے کاروبار میں رہتا تھا۔ تقسیم اوقات کا ایسا انتظام کیا تھا کہ ایک ساعت ضائع نہ ہونے دیتا تھا[1]۔

دار العلوم جونپور

شاہان شرقی (جونپور) کے عہد میں جونپور علمی شہرت میں دہلی اور بغداد کا مقابلہ کرتا تھا۔ سلطان ابراہیم شرقی کے زمانہ (سنہ ۸۰۴ھ لغایۃ سنہ ۸۴۰ھ) میں ہندوستان کے مختلف حصوں اور ایران و توران اور عرب و عجم کے عالم فاضل جونپور مین جمع تھے بادشاہ نے اُن کے بڑے بڑے وظیفے مقرر کر رکھے تھے اور ایک عظیم الشان دار العلوم جونپور میں قایم کیا تھا۔ جس کی عالیشان عمارت کے کچھ نشانات سنا گیا ہے۔ کہ اب تک موجود ہین۔ مشہور ہے کہ اس سے پہلے کوئی اتنا بڑا دار العلوم ہندوستان میں تعمیر نہیں ہوا تھا۔ اس دار العلوم مین مولانا قاضی شہاب الدین جونپوری مدرس اول تھے۔ وہ اصل میں غزنین کے رہنے والے تھے اس کے بعد دولت آباد اور وہاں سے جونپور میں تشریف لائے۔ سلطان ابراہیم نے اُن کو اس دار العلوم کا مدرس اول مقرر کیا۔ اور اُن کی اس قدر تعظیم و توقیر کرتا تھا کہ دربار میں اپنے سامنے چاندی کی کرسی پر بٹھاتا تھا۔ ایک دفعہ جب یہ بیمار ہوئے تو بادشاہ اُن کی عیادت کے واسطے گیا۔ اور مولانا کے پاس بیٹھکر ایک کٹورہ پانی کا اُن کے سر پر سے اُتار کر خود پی گیا۔ اور ہاتھ اٹھا کر بارگاہ ایزدی میں دعا مانگی کہ

[1] دربار اکبری۔

جس مصیبت میں مولانا گرفتار ہیں وہ مجھے نصیب کر اور انہیں شفا عطا فرما۔ مولانا موصوف بڑے فاضل تھے اُن کی بہت سی تصانیف مثل حاشیہ کافیہ (حاشیہ ہندی) مصباح۔ صلح المثال۔ فتاوی ابراہیم شاہی۔ تفسیر فارسی بحر المواج۔ رسالہ مناقب سادات رسالہ عقیدہ شہابیہ وغیرہ سلطان ابراہیم کے نام پر ہیں۔ مولانا سلطان کی وفات سے ایسے مغموم ہوئے کہ اُسی سال یعنی ۸۴۰ھ میں اُنہوں نے بھی انتقال فرمایا۔

اس دارالعلوم سے بڑے بڑے عالم فاضل ہو کر نکلے۔ سلطان محمود شرقی نے بھی جو سلطان ابراہیم کا بیٹا تھا۔ علما۔ اور فضلا کی قدردانی میں کوئی دقیقہ اوٹھا نہ رکھا۔

فرمانروایان کشمیر میں سلطان زین العابدین کا زمانہ (۸۲۶ھ لغایۃ ۸۷۶ھ) علمی تاریخ میں ممتاز ہے۔ اُس کے عالیشان دربار میں بڑے بڑے ہندو مسلمان عالم فاضل جمع تھے۔ ہندو فضلا میں سری بھرت۔ بودی بت۔ سوم کشمیری اور مسلمان فضلا میں ملا محمد۔ ملا عود شاگرد ملا عبدالقادر خراسانی۔ ملا جمیل حافظی۔ بہت مشہور ہیں۔ سری بھرت علم حکمت میں بے نظیر تھا۔ بودی بت نے علم موسیقی میں زین کے نام سے ایک کتاب بادشاہ کے نام پر تالیف کی۔ سوم کشمیری نے جو زبان کشمیری اور ہندی کا بڑا فاضل تھا سلطان کے حالات میں زین حرب نام کتاب لکھی ہے ملا محمد ایک فاضل جامع معقول و منقول تھے۔ کمالات شاعری میں بھی اپنا نظیر نہ رکھتے تھے بادشاہ ان کا نہایت اعزاز و اکرام کرتا تھا۔ کہ یہ بزرگوار ہمارے مرشد اور قبلہ ہیں۔ انہوں نے ہمیں ضلالت سے نکالکر ہدایت کا راستہ دکھایا ہے۔ ملا عود فن موسیقی میں بڑا کمال رکھتا تھا۔ ملا جمیل کمالات شاعری سے موصوف تھا۔

یہ بادشاہ خود بھی عالم اور کئی زبانوں سے واقف تھا۔ اُس نے جس قدر قصبات

یا دیہات آباد کیے سب میں علما۔ فضلا کو آباد کیا۔ خود کئی عربی اور فارسی کتابوں کا ہندی میں ترجمہ کیا۔ کتاب راج ترنگی کا جو سنسکرت زبان میں کشمیر کے عہد قدیم کی تاریخ ہے اُسی کے حکم سے فارسی میں ترجمہ ہوا جسے اکبر کے عہد میں ملا عبدالقادر بدایونی نے سلیس عبارت میں کیا۔ کتاب بحر الاسمار بھی اول اُسی کے حکم سے فارسی زبان میں ترجمہ کی گئی۔

سلاطین فاروقیہ برہان پور میں نصیر خاں فاروقی کے زمانہ میں بہت سے ارباب فضل و کمال خاندیس میں جمع تھے۔ اُس نے ہر ایک کے واسطے جاگیریں اور وظیفے مقرر کر دئے تھے۔ اسی بادشاہ نے حضرت مخدوم شیخ زین الدین کے ارشاد کے بموجب شہر برہان پور کے پاس قصبہ زین آباد آباد کیا تھا۔

اب ہم ہندوستان کے سب سے بڑے پر عظمت اسلامی خاندان یعنی سلاطین مغلیہ کے عہد کی علمی فیاضیوں اور علمی یادگاروں کا مختصر حال بیان کرتے ہیں کہ جن کی عالمگیر علمی فیاضیوں کی شہرت نے تمام پچھلے فرمانرواؤں کی علمی قدردانی اور علمی یادگاروں کو لوگوں کے دلوں سے بھلا دیا۔

بابر نے ہندوستان اور سمرقند اور بخارا اور کابل میں ۳۷ سینتیس برس اس طرح سے سلطنت کی کہ کسی جگہ اُسے چین سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوا۔ یہ بات دلچسپی کے ساتھ دیکھنے کے قابل ہے کہ گیارہ برس کی عمر سے پینتالیس برس کی عمر تک کسی جگہ اُس کو دو متواتر عیدیں کرنا نصیب نہیں ہوئیں۔ باوجود اس کے اُس کو علم اور کمال سے کچھ ازلی مناسبت تھی۔ اور اس پریشانی کے عالم میں بھی اُس کو علم کی طرف خاص توجہ رہی ماوراء النہر اور خراسان کا ہر شہر اور قریہ اُس وقت

علمی کیفیت اور کیفیت کمال سے سرشار ہو رہا تھا۔ بابر جہاں گیا خواہ کسی حال میں تھا اہل کمال سے ضرور مستفید ہوا۔ ہندوستان میں اس کی بادشاہی کا قلیل زمانہ امن قایم کرتے ہی گذر گیا۔ اگر اس کو امن قایم کرنے کے بعد اجل مہلت دیتی تو وہ ضرور بخارا اور سمرقند کی علمی جھلک ہندوستان میں بھی دکھا دیتا۔ اس نے واقعات بابری میں ہندوستان کے اس نقص کو بھی دکھایا ہے۔ کہ یہاں کوئی بڑا مدرسہ نہیں ہے۔

بابر کی تصانیف میں واقعات بابری کے علاوہ فقہ حنفی میں بھی ایک کتاب مُبَیَّن نامی ہے جس کی شرح شیخ زین الدین نے لکھی ہے۔ فن عروض میں بھی بادشاہ کے کئی رسالے مشہور ہیں۔ اور ایک خط بھی بادشاہ کی ایجاد سے مشہور ہے جو خط بابری کے نام سے موسوم ہے۔ بادشاہ نے ایک قرآن شریف اس خط میں لکھکر مکہ معظمہ کو بھیجا تھا۔ بادشاہ کا ایک دیوان بھی ہے جس میں ترکی اور فارسی کے اشعار ہیں۔

علماء عہد بابری

بابر کے عہد کے مشہور علماء ہند میں۔ شیخ زین خاں۔ اور مولانا بقائی اور مولانا شہاب الدین معمائی ہیں۔ شیخ زین خاں نے سب سے پہلے واقعات بابری کا ترکی سے فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔ مولانا بقائی نے مخزن کی بحر میں ایک مثنوی لکھی ہے۔

مولانا شہاب الدین بڑے صاحب کمال فاضل تھے لیکن فن معما میں ان کی فضیلت ایسی مشہور ہوئی کہ اور سب کمالات چھپ گئے تھے اسم شریف کا یہ معما مولانا کی تصنیف سے بہت مشہور ہے۔ معما سے

از بہر فریب دلِ ماختہ دلاں	ہر لحظہ زنار آں صنم غنچہ دہاں
بر صفحۂ گل کرد رقم آں سر زلف	وانگہ رخ مہ کرد زیک گوشہ عیاں

ہمایوں

بابر کے بعد ہمایوں تخت نشیں ہوا۔ لیکن بھائیوں کے نفاق اور شیر شاہ کے اقبال نے اُسے چند روز بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ اور جب اس نے دوبارہ ہندوستان کو فتح کیا تو اجل نے مہلت نہ دی باوجود اس کے وہ اپنے زمانہ کی عالموں۔ فاضلوں۔ بزرگوں اور شاعروں کی قدر دانی میں شہرۂ آفاق تھا۔ اس کے دربار میں بڑے بڑے باکمال جمع تھے جن میں شیخ حمید سنبھلی۔ مولانا جنوبی بدخشی معمائی۔ شیخ زین الدین خاں صدر۔ مولانا نادری سمرقندی۔ شیخ ابوالواحد فارغی حیدر تونیائی۔ خواجہ ایوب بہت مشہور ہیں۔ ہمایوں خود بھی نجوم اور ہیئت اور تمام لطیف علموں میں بے نظیر تھا۔

اکبر اعظم

اکبر باوجود اس کے کہ پڑھا لکھا نہ تھا علم کا مذاق اور علوم و فنون کا شوق اور قدردانی کا جوش جو اس کا تھا کسی عالم بادشاہ کو بھی نہ تھا۔ راتوں کو ہمیشہ کتابیں پڑھواتا تھا۔ اور سنتا تھا۔ علمی تحقیقاتیں تھیں علمی باتیں تھیں۔ علمی چرچے تھے۔ مشہور کتابوں میں شاید ہی کوئی ایسی کتاب ہوگی جو اس کے سامنے نہ پڑھی گئی ہو۔ گلستاں بوستاں۔ قابوس نامہ۔ ملفوظات شیخ شرف الدین منیری۔ حدیقہ حکیم سنائی۔ مثنوی مولانا روم۔ جام جم۔ خمسۂ نظامی۔ کلیات امیر خسرو۔ دیوان خاقانی و انوری وغیرہ ہر قسم کی کتابیں اور تاریخیں اس کے سامنے بلاناغہ پڑھی جاتی تھیں۔

تصانیف عہد اکبری

ترجمہ کا شستہ خاص تھا۔ مختلف زباں داں نوکر تھے۔ سنسکرت۔ یونانی عربی کی کتابیں۔ فارسی اور بھاشا میں ترجمہ کرتے تھے۔ جہاں یہ سب صاحب زبان

بیٹھتے تھے اس مقام کا نام مکتب خانہ تھا۔ ذیل میں اُن کتابوں کی فہرست درج کی جاتی ہے جو اُس کی فرمائش سے یا اُس کے عہد میں لکھی گئیں[1]۔

ترجمہ سنگھاسن بتیسی (نامۂ خرد افزا)۔ حیوٰۃ الحیوان۔ ترجمہ اتھربن بید۔ کتاب الاحادیث تاریخ الفی۔ ترجمہ رامائن۔ جامع رشیدی۔ ترجمہ تزک بابری۔ تاریخ کشمیر۔ معجم البلدان نجات الرشید۔ رزمنامہ ترجمہ مہابھارت۔ طبقات اکبر شاہی۔ سواطع الالہام موارد الکلم۔ نلدمن۔ لیلاوتی بحر الاسمار۔ مرکز دوار۔ اکبر نامہ۔ عیار دانش۔ کشکول ابوالفضل تاجک۔ ہری بنس۔ جوتش۔ ثمرۃ الفلاسفہ۔ خیر البیان۔ خازن اسرار۔ آئین اکبری۔

اکبر کی علمی قدردانی نے نہ صرف ایران۔ توران۔ عرب۔ عجم۔ روم۔ شام ہی کے علما فضلا اور اہل کمال کو ہندوستان میں جمع کر لیا تھا بلکہ اہل فرنگ بھی اُس کی کمال پروری کے حالات سنکر کئی مرتبہ دربار میں آئے۔ اور اس کے حسن اخلاق اور اوصاف طبع کو دیکھکر دنگ رہ گئے اور انعام واکرام سے مالا مال ہوکر اپنے ملک کو واپس گئے۔ نوساری علاقہ گجرات سے پارسی آن موجود ہوئے جنھیں چار سو بیگہہ زمین جاگیر میں مرحمت ہوئی جواب تک اُن کے قبضے میں چلی آتی ہے۔

اکبر کے عہد کے بڑے بڑے امرا مثل بیرم خاں خانخاناں۔ عبدالرحیم خاں خانخاناں۔ امیر الامرا خاں زماں علی قلی خاں سیستانی۔ علامی ابوالفضل وغیرہ کی بھی علمی فیاضیاں دیگر ملکوں کے مشہور علم دوست فرمانرواؤں کی علمی فیاضیوں

[1] تفصیلی حالات کے واسطے دربار اکبری صفحہ ۵۱ لغایۃ ۱۱۸ دیکھو۔

سے کسی طرح کم نہ تھیں۔ صاحب مآثر الامرا۔ خانخاناں مرزا عبدالرحیم خاں کے حال میں لکھتے ہیں "کہ اس کے دربار میں اہل کمال کا وہ مجمع تھا جو سلطان حسین مرزا اور میر علی شیر کے عہد میں گذرا ہے"۔

اکبر کے عہد کے اگر مشہور مشہور علما فضلا ہی کے مختصر حالات لکھے جائیں تو اُس کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں جنھیں شوق ہو وہ اکبر نامہ۔ آئین اکبری۔ دربار اکبری منتخب التواریخ میں ملاحظہ فرمائیں۔ اس مقام پر صرف مشہور و معروف علما و فضلا کی فہرست آئین اکبری سے درج کی جاتی ہے۔

شیخ مبارک ناگوری۔ شیخ نظام نارنولی۔ شیخ ادہن (امن اللہ)۔ میاں وجیہہ الدین۔ شیخ رکن الدین۔ شیخ عبدالعزیز دہلوی۔ شیخ جلال۔ شیخ الہدیہ۔ مولانا حسام الدین۔ شیخ عبدالغفور شیخ پنجو سنبھلی۔ مولانا اسمٰعیل۔ مادہو سرستی۔ مدہوون۔ نارائن اسرم۔ ہرجی سور۔ دامودر بھٹ رام تیرتھ۔ نرسنگ۔ پرم اندر۔ ادوت۔ میر فتح اللہ شیرازی۔ میر مرتضیٰ۔ مولانا سعید ترکستانی حافظ تاشکندی۔ مولانا شاہ محمد۔ مولانا علاؤ الدین۔ مولانا شیخ حسین۔ مولانا میر کلاں غازی خاں۔ مولانا صادق۔ مولانا شاہ محمد ثانی۔ میاں حاتم۔ میاں جمال خاں۔ مولانا عبدالقادر۔ شیخ احمد۔ مخدوم الملک۔ مولانا عبدالسلام۔ قاضی صدرالدین۔ مولانا سعداللہ مولانا اسحٰق۔ میر عبداللطیف۔ قاضی میر نور اللہ شوستری۔ مولانا عبدالقادر بدایونی۔ قاضی عبدالسمیع۔ مولانا قاسم۔ قاضی حسن۔ ملا کمال۔ شیخ عبدالنبی۔ شیخ بہیک۔ شیخ ابوالفتح شیخ بہاؤ الدین مفتی۔ قاضی جلال الدین۔ شیخ ضیاء الدین۔ شیخ عبدالوہاب۔ شیخ عمر۔ مولانا جمال۔ میر سید محمد عدل۔ شیخ احمدی۔ شیخ عبدالغنی۔ شیخ عبدالواحد صدر جہاں۔ مولانا اسمٰعیل۔ ملا عبدالقادر اخوند۔ مولانا صدر جہاں ثانی۔ شیخ جوہر

شیخ منو۔ قاضی ابراہیم۔ مولانا جمال الدین لاہوری۔ مولانا اسمعیل ثانی۔ قاضی جمال الدین بجے سین سور۔ بہان چند نہال۔ مولانا پیر محمد۔ مولانا عبد الباقی۔ میرزا مفلس سمرقندی مولانا زادہ شکر اللہ۔ مولانا محمد۔ قاسم بیگ۔ مولانا نور الدین ترخان۔ نارائن۔ مادہو بھٹ سری بھٹ۔ بشن ناتھ۔ رام کشن۔ بلبیدر مصر۔ باسدیو مصر۔ باہمن بھٹ۔ بدیا نواس گوری ناتھ۔ گوپی ناتھ۔ پنڈت کشن۔ بھٹا چارج۔ بھاگیرت بھٹا چارج۔ کاشی ناتھ بھٹا چارج ان کے علاوہ علامی ابوالفضل۔ فیضی۔ وغیرہ اکثر فضلا اُمرا کی فہرست میں داخل تھے

مختلف تاریخوں اور تحریروں سے واضح ہوتا ہے کہ اکبر کے عہد سے لیکر سلطنت مغلیہ کے آخری عہد تک تمام ممالک محروسہ میں مدرسے جاری تھے۔ اکبر کے عہد میں مدرسوں اور کالجوں میں تعلیم بلحاظ حالت یا مذہب طلبا کے بخوبی ہوتی تھی۔ اخلاق۔ حساب زراعت۔ اقلیدس۔ نجوم۔ علم طبعی۔ علم تاریخ۔ وغیرہ کی سب کو تعلیم دی جاتی تھی۔ ہندوؤں کو ویاکرن اور ویدانت پڑھایا جاتا تھا[1]۔

اکبر آباد (اگرہ) میں ایک عالیشان مدرسہ اکبر نے تعمیر کرایا تھا۔ اُس کی کچھ عمارت شروع انگریزی عہد تک موجود تھی۔ چنانچہ اس عہد کا ایک مورخ اُس کی نسبت لکھتا ہے "در عہد جلال الدین محمد اکبر بادشاہ جابجا مدرسہ ہا مقرر بودند و استادان فارس و شیراز تعلیم مے فرمودند۔ چنانچہ تا حال مدرسہ عالی اساس کہ رونق افزائے بوستان سخنوریست و دیباچہ صحیفۂ ہنر پروریست درین دار الخلافت عظمت اساس دارد و بشاہدہ کانانش تخم حیرت در دیدہ قریب میکارد" الخ[2]

[1] ہندوستان گذشتہ وحال صفحہ ۱۳۷۔

[2] تاریخ اگرہ مؤلفہ منشی سیلچند مدرس اول اگرہ کالج۔

شہنشاہ اکبر نے اس مدرسہ کے واسطے شیراز سے چلپی بیگ نام ایک فاضل طلب کیا تھا۔ جس کا فرمان ابوالفضل دفتر اول میں موجود ہے[1]۔

شاہجہاں کے عہد میں مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی اور حاجی محمد جان قدسی اور عالمگیر کے عہد میں ملا عبد العزیز پسر ملا عبد الرشید اکبر آبادی اس مدرسہ کے مشہور مدرسوں میں سے تھے۔

اب اس مدرسہ کی کچھ عمارت باقی نہیں رہی۔ جس مقام پر مدرسہ تھا اُس جگہ آبادی ہو گئی۔ اور ایک بڑا محلہ آباد ہے جو اب تک محلہ مدرسہ کے نام سے مشہور چلا آتا ہے۔ آثار قدیمہ میں صرف ایک عظیم الشان مسجد باقی رہ گئی ہے۔

اسیطرح لاہور دہلی۔ الہ آباد وغیرہ بڑے بڑے شہروں میں مدرسے تعمیر ہوئے تھے۔ لیکن اُن کے تفصیلی حالات کسی کتاب میں نظر سے نہیں گذرے۔

۹۷۹ھ میں جب فتحپور سیکری دار الخلافت مقرر ہوا۔ اور وہاں قصر ہائے عالی تعمیر ہوئے تو ایک مدرسہ بھی تعمیر ہوا یہ مدرسہ محلات شاہی کے پاس اب تک موجود اور مدرسہ ابوالفضل کے نام سے موسوم ہے۔ اور بانی کی نیک نیتی یا اتفاق وقت سے اب تک اسی کار خیر کے واسطے مخصوص ہے۔ یعنی فتحپور سیکری کا مدرسہ تحصیلی اسکول اسی عمارت میں جاری ہے۔

اکبر کے بعد جہانگیر تخت پر بیٹھا اور باپ کے وقت کے سب قاعدوں کو جاری رکھا۔ شب جمعہ کو علما اور صلحا کے ساتھ صحبت رکھتا تھا خود اپنی تزک میں لکھا ہے "در شبہائے جمعہ با علما و صلحا و درویشاں و گوشہ نشیناں صحبت میدارم" اس

[1] ابوالفضل دفتر اول صفحہ ، مطبوعہ لکھنو۔

نے علما اور فضلا اور دیگر ارباب استحقاق کو جاگیریں دینے میں اکبر سے بھی زیادہ فیاضی
دکھائی۔ صرف ۵ ا جلوس میں پچاسی ہزار بیگہ زمین اور چار گاؤں جاگیروں میں دئے
اور دو ہزار تین سو ستائیس روپئے۔ ایک اشرفی۔ ۴۰۶۰۔ درب ۔ ۷۸۸۰ چرن
۱۲ ۱۵ تولا سونا چاندی ۱۰۰۰۰ دام نقد انعام واکرام میں لٹائے۔ اسی اوسط سے
دوسرے سالوں کی بخشش کا اندازہ کرنا چاہئے۔ سنہ ۱۲ جلوس میں جب جہانگیر
گجرات تشریف لیگئے تو سید محمد بنیرہ شاہ عالم سے جو فضلائے گجرات سے تھے
ملکر بہت خوش ہوئے۔ سنہ ۱۳ جلوس میں واپسی کے وقت سید محمد کو کلام مجید
کی قسم دے کر دریافت کیا کہ جو کچھ دلی خواہش ہو بلا کسی خیال یا حجاب کے ظاہر کرو۔
سید موصوف نے ارشاد فرمایا کہ چونکہ آپ نے کلام مجید کی قسم دی ہے لہذا کتب خانۂ
شاہی سے ایک کلام مجید ہی مرحمت فرمایا جاوے تاکہ اُس کو ہمیشہ بطور یادگار
کے اپنے پاس رکھوں اور اُس کے پڑہنے کا ثواب حضرت کو پہنچے۔ جہانگیر نے
یاقوت کے ہاتھ کا لکھا ہوا نہایت نفیس ایک قرآن شریف سید موصوف کو مرحمت
فرمایا اور اپنے ہاتھ سے تاریخ اور مقام اور عطیہ کا حال اُس پر لکھ دیا۔ اسی سفر میں بادشاہ
نے دیگر علماے گجرات کو بھی بہت سی کتابیں مثل تفسیر کشاف اور تفسیر حسینی اور
روضۃ الاحباب کے مرحمت کرکے سب پر اپنے ہاتھ سے عطیہ کا حال لکھدیا۔

قرآن شریف کا فارسی میں ترجمہ ہونا

جہانگیر کے عہد کی علمی تاریخ میں یہ بات بھی قابل یاد رکھنے کے ہے کہ اُس نے
سنہ ۱۳ جلوس میں سید محمد کو جن کا ذکر اوپر ہوا یہ حکم دیا کہ قرآن شریف کا لفظی ترجمہ
فارسی زبان میں کرکے سید جلال الدین اپنے بیٹے کے ہاتھ دربار میں روانہ
کردیں۔ ترجمہ کی زبان نہایت سلیس اور عام فہم ہو اور اس ترجمہ تحت اللفظ میں ایک

حرف بھی اپنی طرف سے نہ بڑہایا جاوے۔

علمائے عہد جہانگیری

جہانگیر کے عہد کے علما میں ملا روزبہان تبریزی۔ ملا شکر اللہ شیرازی۔ میر ابو القاسم
گیلانی۔ ملا باقر کشمیری۔ ملا محمد کہستانی۔ ملا مقصود علی۔ قاضی نور اللہ شوستری۔ ملا
فاضل کابلی۔ ملا عبد الحکیم۔ ملا عبد اللطیف سلطان پوری۔ ملا عبد الرحمن گجراتی
ملا حسن مراغی۔ ملا محمود جونپوری۔ سید محمد گجراتی۔ قاضی نصیر برہان پوری۔ مولانا عبد الحق
دہلوی۔ بہتان مصر۔ پنڈت لنکو۔ بہٹا چارج بنارسی مشہور ہیں۔
جہانگیر نے سنہ ۱۷ جلوس کے درمیان تک کے واقعات سلطنت اپنے
ہاتھ سے لکھے ہیں۔ اس کے بعد شروع سنہ ۱۹ جلوس تک کے واقعات
معتمد خاں نے اور اُس کے بعد کے حالات میر محمد ہادی نے لکھکر کتاب تزک
جہانگیری کو پورا کیا ہے۔ فرہنگ جہانگیری۔ مثنوی نور نامہ وغیرہ اکثر کتابیں اور بھی
اس بادشاہ کے نام پر لکھی گئی ہیں۔

شاہجہان

تمام مورخین ہند کا اس امر پر اتفاق ہے کہ خاندان تیموریہ میں شاہجہاں سے
بڑہکر کوئی بادشاہ سخی نہیں گذرا اُس نے اپنے عہد سلطنت میں جس الوالعزمی سے
علما اور فضلا کی قدردانی کی اُس کا ثبوت اس سے بڑہکر کیا ہو سکتا ہے کہ اُس
نے اپنی وزارت کے واسطے طبقہ علما ہی سے دو ایسے شخصوں کو منتخب کیا کہ
ہندوستان میں علامی کا خطاب ابو الفضل کے بعد صرف اُن ہی دو کے
واسطے تسلیم کیا گیا ہے۔ چنانچہ اُس کا پہلا وزیر علامی افضل خاں (شکر اللہ) ایران
کا ایک فاضل تھا۔ اور دوسرا وزیر علامی سعد اللہ خاں ہندوستان کے ایک
گمنام مگر لفشیر خاندان کا بیٹا تھا۔ اور نہایت افلاس کی حالت میں علم و فضل حاصل

کر کے اسی کے وسیلے سے وزارت کے درجہ پر پہنچ گیا۔

ملا عبدالحمید لاہوری نے بادشاہنامہ میں شاہجہاں کے پہلے سال جلوس کی جاگیروں کا جو علما فضلا اور دیگر ارباب استحقاق کو مرحمت کی گئی تھیں ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۰ مسلم گاؤں اور چار لاکھ بیگھہ زمین اس سال جاگیروں میں دی گئی اور اس کے علاوہ بہت سا زر نقد صدر الصدور کے ذریعے سے علما فضلا میں تقسیم کیا گیا۔ اسی سے شاہجہاں کی علمی قدردانی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

شاہجہاں نے اپنے ایام سلطنت میں حسب ذیل اہل کمال کو جن میں عالم فاضل۔ شاعر۔ طبیب ہر طبقہ کے لوگ شامل ہیں سونے چاندی سے تلوا کر ہموزن سونا چاندی انہیں مرحمت کیا۔

باقیا نائینی شاعر۔ سعیدا گیلانی۔ بے بدل خاں شاعر۔ حاجی محمد جان قدسی شاعر و عالم۔ ابو طالب کلیم شاعر۔ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی فاضل۔ قاضی محمد اسلم پدر میر زاہد صاحب حواشی مشہورہ۔ شیخ عبدالحمید لاہوری مؤلف شاہجہان نامہ۔ جگناتھ مہا کب اے۔ رنگ خاں۔ عارف جراح۔ ہاموں جراح۔

علمائے عہد شاہجہانی

شاہجہاں کے عہد کے علما فضلا میں سید محمد رضوی۔ سید جلال بخاری۔ ملا محب علی سندی۔ میر حسام الدین بدخشی۔ ملا شکر اللہ افضل خاں۔ ملا محمد فاضل۔ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی۔ شیخ عبدالحق دہلوی صاحب تصانیف کثیرہ۔ ملا یوسف لاہوری۔ ملا عبدالسلام دیوی۔ قاضی محمد زاہد کابلی۔ قاضی محمد اسلم۔ قاضی محمد سعید کرہرودی۔ ملا میرک۔ ملا عبداللطیف سلطان پوری۔ ملا محمد ہاشم۔ شیخ محمد۔ علامی سعد اللہ خاں۔ ملا علاء الملک تونی۔ میرک شیخ ہروی۔ سید احمد سعید۔ ہرناتھ مہاپاتر۔ بہت

مشہور ہیں۔ ان میں تین چار امارت کے درجہ پر پہنچ کر ملکی خدمات پر مامور ہوئے بقیہ ممالک محروسہ کے مدرسوں میں اور شاہزادوں کی تعلیم و تربیت پر مامور تھے۔ انہیں جس قدر بیش قرار تنخواہیں ملتی تھیں اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف قاضی محمد سعید کرہرودی کی تنخواہ سالانہ چھتیس ہزار روپیہ تھی[۵۱]۔ ہرناتھ مہاپاتر کا دو ہزار روپیہ سالانہ کا وظیفہ مقرر تھا۔ اور سنہ ۱۰۴۱ھ میں جب وہ دربار شاہی میں حاضر ہوا تو بادشاہ نے خلعت و اسپ اور فیل کے علاوہ ایک لاکھ دام نقد انعام میں مرحمت کیے[۵۲]۔

عالمگیر

اورنگ زیب نے اپنے عہد حکومت میں ایک وسیع سلسلہ تعلیم کا جاری کیا۔ اس سے پہلے صرف بڑے بڑے شہروں میں شاہی مدرسے قایم تھے اورنگ زیب نے تمام ممالک محروسہ کے شہروں اور قصبوں میں مدرسے جاری کیے اور ان میں بڑے بڑے فاضل مدرسوں کو پڑھانے کے واسطے مقرر کیا۔ جنہیں خزانہ شاہی سے نقد تنخواہ ملتی تھی۔ بعض بعض مدرس روزیانہ پاتے تھے۔ کسی کسی کو جاگیریں بھی دی گئی تھیں۔ طالب علموں کے واسطے بھی وظیفے مقرر کیے گئے تھے[۵۳]۔

فتاوی عالمگیر

اورنگ زیب نے تمام ملک کے مشہور علما اور فضلا کو جمع کر کے دو لاکھ روپئے کے صرف سے فقہ حنفی میں ایک ضخیم کتاب مرتب کرا کر اس کو فتاوی عالمگیری کے نام سے موسوم کیا۔ اس کتاب کے مرتب کرنے والے علما میں شیخ نظام

---

[۵۱] بادشاہنامہ ملا عبدالحمید لاہوری جلد اول صفحہ ۲۲۴ مطبوعہ کلکتہ۔

[۵۲] بادشاہنامہ جلد دوم صفحہ ۱۷۰۔ [۵۳] عالمگیر نامہ مطبوعہ مطبع الٰہی آگرہ صفحہ ۲۲۴۔

سب کے افسر مقرر کئے گئے تھے۔

اورنگ زیب کا خط نسخ اور نستعلیق بہت اچھا تھا۔ اُس نے اپنے ہاتھ سے دو قرآن شریف لکھکر اور سات ہزار روپئے کے صرف سے اُن کی لوح اور جدول اور جلد بنوا کر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ روانہ کئے تھے۔ اس بادشاہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک قرآن نفیس ہندوستان میں بھی موجود ہے۔ جسے حال ہی میں ایک مسلمان رئیس نے وکٹوریہ میموریل ہال کلکتہ میں رکھے جانے کے واسطے جناب وائسرای ہند کی خدمت میں پیش کیا ہے۔

اورنگ زیب کے عہد کے علما و فضلا میں ملا محمد زاہد۔ قاضی القضات ملا عبد الوہاب۔ میر سید محمد قنوجی۔ ملا عوض وجیہ۔ شیخ سیف الدین سرہندی۔ ملا عبد العزیز پسر ملا عبد الرشید اکبر آبادی۔ ملا یعقوب۔ مفتی ابو البرکات۔ سید محمد بیجاپوری۔ ملا عبد اللہ سیالکوٹی۔ سید ابو سعید داماد ملا عبد الوہاب۔ قاضی شیخ الاسلام پسر ملا عبد الوہاب۔ شیخ محمد وارث۔ سید حسن رسول نما۔ شیخ عبد اللطیف برہان پوری۔ میر نصیر الدین ہروی۔ سید سعد اللہ نواسہ شیخ پیر محمد سلونی۔ میر مرتضیٰ ملتانی۔ ملا محمد طاہر (اعتماد خاں) وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ ان میں سید محمد بیجاپوری کو چھ ہزار سالانہ تنخواہ ملتی تھی۔

اورنگ زیب کا بیٹا بہادر شاہ خاندان تیموریہ میں باعتبار علم و فضل کے سب سے بڑھا ہوا تھا۔ عالموں اور فاضلوں کی صحبت کا اُس کو بڑا شوق تھا۔ لیکن اُس کا مختصر زمانہ بھائیوں کی لڑائی اور راجپوتوں اور سکھوں کی بغاوت فرو کرنے میں گذر گیا۔ اور اس کے مرنے کے بعد امرا کا دور دورہ شروع ہوا جس نے جا با بادشاہ کو شاہ شطرنج کیطرح اٹھالیا۔ روز روز نئے نئے بادشاہ بدلنے لگے۔ آخرکار سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔

یہ بات بھی دلچسپی سے دیکھنے کے قابل ہے کہ خواتین مغلیہ میں بھی علمی قدردانی کا بے انتہا جوش تھا علی العموم سب صاحب علم۔ سخن شناس۔ سخن فہم۔ اہل سخن کی قدردانی میں شہرہ آفاق تھیں۔ ان میں سلیمہ سلطانہ بیگم گلبدن بیگم۔ نورجہاں بیگم۔ ارجمند بانو بیگم جہاں آرا بیگم۔ روشن آرا بیگم۔ زیب النسا بیگم۔ زینت النسا بیگم۔ اکبر آبادی بیگم خاص طور سے ممتاز ہیں۔

ماہم بیگم۔ اکبر کی آتا (دودہ پلائی) اور ادہم خاں کوکہ کی ماں تھیں۔ اونہوں نے دہلی میں پرانے قلعہ کے پاس ایک عظیم الشان مدرسہ اور اُس کے پاس ایک مسجد تعمیر کرائی تھی اس مدرسہ کی کچھ عمارت اب تک موجود ہے اور اُس پر یہ تاریخ کندہ ہے۔

بدوران جلال الدین محمد	کہ باشد اکبر شاہان عادل
چو ماہم بیگم عصمت پناہی	بنا کرد ایں بنا بہر افاضل
ولے شد ساعئی ایں بقعۂ خیر	شہاب الدین احمد خاں باذل
زہے خیریت ایں بقعۂ خیر	کہ شد تاریخ او خیر المنازل

۹۶۸ھ

ماہم بیگم کی علمی قدردانی کا حال سُن کر علامہ فخری بن امیری الہروی نے سندھ سے کتاب تذکرہ جواہر العجائب اُس کے نام پر لکھکر ارسال کی تھی۔

سلیمہ سلطانہ بیگم ہمایوں کی بہن گلرخ بیگم کی صاحبزادی تھیں۔ وہ نہایت خوش بیان شیریں کلام۔ حاضر جواب بیگم تھیں۔ کتاب کے مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ اور اہل سخن کی قدردانی میں مشہور تھیں۔ جہانگیر نے ان کی لیاقت کی بہت تعریف کی ہے۔ اور اُن کی یہ بیت نقل کی ہے ؎

کاکلت را من ز مستی رشتۂ جاں گفتہ ام	مست بودم زیں سبب حرف پریشاں گفتہ ام

سنہ ۱۰۲۱ھ میں ۶۰ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ اور اپنے باغ واقع موضع ٹہا کر (آگرہ اور فتحپور کے درمیان میں ہے) میں دفن ہوئیں۔

گلبدن بیگم ہمایوں کی بہن تہیں سنہ ۹۸۲ھ میں یہ اور سلیمہ سلطانہ بیگم گجرات کے راستہ سے حج کو گئی تہیں۔ چار حج متواتر کئے۔ سنہ ۹۹۰ھ میں واپس آئیں۔ ہمایوں نامہ ان کی حسن قابلیت کی یادگار ہے۔ جس میں بابر اور ہمایوں کے عہد کے تاریخی واقعات مندرج ہیں اور جس کا انگریزی ترجمہ معہ اصل متن کے حال ہی میں مسز اے۔ ایس بیورج صاحبہ (A. S. BEVERIDGE.) نے لنڈن سے شایع کیا ہے۔

نورجہاں بیگم اور ارجمند بانو بیگم (ممتاز محل) کی علمی فیاضیاں عام طور سے مشہور ہیں ان دونوں نے سوائے چند اشعار کے اور کوئی علمی یادگار نہیں چھوڑی۔

جہاں آرا بیگم۔ شاہجہاں اور ممتاز محل کی بڑی صاحبزادی اور نہایت قابل خاتون تہیں شاہجہاں کی سلطنت میں ان کو بے حد اختیار اور اقتدار حاصل تھا۔ ساٹھ لاکھ روپیہ سال کی ان کی جاگیر تہی۔ ان کی سرکار سے بہت سے علما، فضلا اور مشائخین کے وظیفے مقرر تہے۔ علمی یادگار سے کتاب مونس الارواح جو حضرت خواجہ معین الدین چشتی الاجمیری کے ذکر خیر میں ہے مشہور ہے جس کا اردو میں بہی ترجمہ ہوگیا ہے۔ اس کے علاوہ تاریخ عاقل خاں میں ان کے اُس خط کی بہی نقل موجود ہے جو اورنگ زیب کے نام جبکہ وہ شاہجہاں کی بیماری کی حالت میں دکن سے معہ فوج کے دارالخلافت کی طرف آرہا تھا۔ روانہ کیا گیا تھا۔

آگرہ کی جامع مسجد بہی جہاں آرا بیگم کے آثار خیر سے ہے۔ اس میں انہوں نے ایک مدرسہ بہی قایم کیا تھا جو اس وقت تک جاری ہے۔ اور مسجد کی دوکانوں کی آمدنی سے

جو اُس کے اور مسجد کے اخراجات کے واسطے وقف کی گئی تہیں اُس کا خرچ چلتا ہے۔

شہنشاہ عالمگیر کی بیٹی زیب النسا بیگم خاندان مغلیہ کی خواتین میں سب سے زیادہ علم دوست تہیں۔ علما، فضلا اور شعرا کی قدردانی میں اپنی کل آمدنی صرف کر دیتی تہیں۔ اُن کی سرکار میں بڑے بڑے عالم فاضل اور خوشنویس کاتب ملازم تھے۔ شاہزادی موصوف نے ہندوستان کے مختلف مقامات اور ایران و توران سے نادر و نایاب کتابوں کی نقلیں صرف کثیر سے بہم پہونچا کر ایک ایسا بےنظیر کتب خانہ قایم کیا تھا جس کا شہرہ ایران و توران تک تھا۔ چونکہ کشمیر کا کاغذ بہت اچھا ہوتا تھا۔ لہذا وہاں کتابت کا دفتر بہ نگرانی مُلا محمد شفیع الدین قایم تھا اور وہاں سے کتابیں نقل ہو ہو کر دہلی میں آتی تہیں اور شاہزادی کے ملاحظہ کے بعد کتب خانہ میں رکہی جاتی تہیں۔

زیب النسا بیگم کے حکم سے مُلا محمد شفیع الدین اور مُلا عنایت احمد نے قرآن مجید کی ایک تفسیر لکہکر اُس کو زیب التفاسیر کے نام سے موسوم کیا۔ اور اس خوبصورتی سے اُس کو آراستہ کرایا کہ شہنشاہ عالمگیر اُس کو دیکہکر پہڑک گیا۔ یہ بےنظیر قلمی نسخہ ابتک دولت ایران کے شاہی کتب خانہ میں موجود ہے[1]۔

زیب النسا بیگم کی بہت سی تصانیف بتلائی جاتی ہیں۔ مگر ہندوستان میں عام طور سے سوائے دیوان کے اور کوئی تصنیف دستیاب نہیں ہوتی۔

اکبرآبادی بیگم شاہجہاں کی ایک بیگم کا نام یا خطاب تھا۔ یہ بڑی نیک اور قابل بی بی تہیں۔ انہوں نے آگرہ اور دہلی میں ایک ایک مسجد تعمیر کرائی تہی۔ دہلی کی مسجد سنہ ۱۰۶۰ھ میں بنکر تیار ہوئی۔ بادشاہ بہی ان کی خاطر سے اُس کے ملاحظہ کے واسطے تشریف لیگئے

[1] حیات زیب النسا بیگم مطبوعہ مطبع خادم التعلیم لاہور صفحہ ۱۴۱۔

بیگم نے جواہر اور مرصع آلات پیش کش کئے۔

یہ مسجد دو برس کے عرصہ میں ڈیڑھ لاکھ روپیہ کے صرف سے تعمیر ہوئی اس کے اخراجات واسطے جائداد وقف کی گئی۔ مسجد کے احاطہ میں ایک مدرسہ بھی تعمیر کیا گیا جس کے معلموں اور طالبِ علموں کا خرچ اسی وقف سے دیا جانا قرار پایا۔

ان مدارس کے علاوہ جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ ہندوستان میں اور بھی بہت سے مدرسے لوگوں نے قایم کئے تھے۔ ہمیں سرسری تلاش سے جتنے مدرسوں کا پتہ چلا ہے انہیں بطور فہرست ذیل میں درج کرتے ہیں۔ اگر ہندوستان کے مختلف بڑے بڑے شہروں میں جو کسی وقت دار الحکومت رہ چکے ہیں مقامی تحقیقات کی جاوے تو اب بھی اس قسم کی یادگاروں کے بہت سے نشانات مل سکتے ہیں مگر یہ کام کسی ایک شخص کے اختیار سے باہر ہے۔

نام مدرسہ	مقام	کیفیت
مدرسہ کلاں	بدایوں	یہ بڑا عالیشان مدرسہ جامع مسجد بدایوں کے پیچھے واقع تھا۔ اس کے بانی کا نام کسی تاریخ میں نظر سے نہیں گذرا۔ مشہور ہے کہ اس مدرسہ سے صدہا عالم تعلیم پا کر نکلے۔ مولانا خواجہ زین الدین جن کی تعریف حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ سے فوائد الفواد میں مرقوم ہے اس میں مدرس تھے۔ یہ مدرسہ مدرسہ معزیہ کے نام سے بھی مشہور ہے۔

نام مدرسہ	مقام	کیفیت
مدرسہ گوالیار	گوالیار	شہنشاہ بابر کے عہد میں اس کے ایک امیر رحیم داد نے جو گوالیار کا حاکم تھا اس مدرسہ کو جاری کیا تھا۔
مدرسہ آگرہ	آگرہ	مولانا شیخ زین الدین خاں وفائی نے جو بابر اور ہمایوں کے عہد میں ہندوستان کے صدر (عہدہ کا نام ہے) تھے ہمایوں کے عہد میں آگرہ میں جمنا پار ایک مدرسہ اور ایک خانقاہ اور ایک مسجد سنہ ھ میں تعمیر کرائی تھی۔ اب مدرسہ اور خانقاہ کا تو پتہ نہیں مگر مسجد شکستہ حالت میں اس وقت تک موجود ہے۔ اور موضع کچپورہ چک ہفتم سواد شہر آگرہ میں واقع ہے۔ مولانا موصوف اور دیگر بزرگان عہد کے مزارات بھی قریب ہی واقع ہیں۔
مدرسہ خس ۹۶۹ھ	آگرہ	اکبر کے عہد میں مولانا علاؤالدین لاری ایک بزرگ تھے جنہوں نے شرح عقائد نسفی پر حاشیہ لکھا ہے انہوں نے آگرہ میں سنہ ۹۶۹ھ میں چھپر ڈال کر ایک مدرسہ جاری کیا۔ ملا عبد القادر بدایونی نے مدرسہ خس اس کی تاریخ کہی۔
فخر المطابع وربیع المفاخر ۱۲۲۲ھ	فرخ آباد	سید ولی اللہ ولد سید احمد علی سانڈھی کے رہنے والے

نام مدرسہ	مقام	کیفیت
		تھے۔ یہ نو برس کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ فرخ آباد میں آئے۔ فرخ آباد بریلی قنوج میں علم کی تحصیل کی اور مولانا عبد الواسط قنوجی سے فضیلت کی سند حاصل کی سنہ ۱۱۸۹ھ میں حج کو تشریف لے گئے۔ اور سنہ ۱۱۹۶ھ میں واپس آکر فرخ آباد میں سکونت اختیار کی۔ اور جو کچھ صرف سے پس انداز ہوا اُس کو جمع کر کے انہوں نے چند قطعہ مکانات خریدے اور سب کو ملا کر سنہ ۱۲۲۴ھ میں یہ مدرسہ تعمیر کرایا۔ اور خود مدت تک اُس میں درس دیتے رہے۔ ۲۹۔ اگست سنہ ۱۸۰۵ء کو برٹش گورنمنٹ کے عہد میں ولی اللہ شہر فرخ آباد کے مفتی مقرر ہوئے۔ اور ۱۳۔ اکتوبر سنہ ۱۸۲۸ء تک اس عہدے پر سرفراز رہے۔ اس مدرسہ کے متعلق ایک کتب خانہ بھی تھا۔ جو اب تک مدرسہ کی عمارت میں موجود ہے۔ مفتی ولی اللہ نے ۵۔ جمادی الثانی سنہ ۱۲۴۹ھ کو انتقال کیا (۱۰۔ نومبر سنہ ۱۸۳۳ء) کسی نے تاریخ وفات خوب کہی ہے گنج معنی برفت زیر زمیں ÷ دفن کردند گنج علم بخاک

نام مدرسہ	مقام	کیفیت
مدرسہ نواب حافظ رحمت خاں	پیلی بھیت	نواب حافظ رحمت خاں والئی روہیلکھنڈ نہایت عابد و زاہد بزرگ تھے علما و فضلا اور سادات اور مشایخین سے نہایت محبت و الفت اور برادرانہ طریق سے پیش آتے تھے۔ اُن کی علمی قدردانی اور دینداری کی شہرت سنکر بڑے بڑے فضلا مثل مولانا عبد العلی لکھنوی کے روہیلکھنڈ میں آ گئے تھے۔ انہوں نے سب کی بیش قرار تنخواہیں اور روزینے مقرر کر دے تھے۔ اور اُن کے واسطے بہت سے مدرسے اور مسجدیں تعمیر کرادی تھیں۔ جہاں وہ درس و تدریس میں مشغول رہتے تھے۔ جب سنہ ۱۱۸۱ھ یا اس کے قریب انہوں نے تین ساڑھے تین لاکھ روپیہ کے صرف سے پیلی بھیت میں جامع مسجد تعمیر کرائی تو اُسی کے قریب ایک عالیشان مدرسہ بھی تعمیر کرایا۔ اس مدرسہ کے طالبعلموں اور مدرسوں کیواسطے وظیفے اور تنخواہیں مقرر کیں۔ جب کوئی طالب علم اس مدرسہ کا درجہ فضیلت کو پہنچتا تو نواب موصوف اپنے ہاتھ سے دستار فضیلت اُس کے سر پر باندھتے اور مثل

نام مدرسہ	مقام	کیفیت
		دیگر علما کے اس کا بھی وظیفہ مقرر کردیتے تھے۔ اس مدرسہ کے کل طلبا کو کتابیں بھی سرکار سے ملتی تھیں۔ اب یہ مدرسہ موجود نہیں لیکن وہ مقام جہاں یہ مدرسہ واقع تھا اب تک مدرسہ کے نام سے مشہور چلا آتا ہے۔
مدرسہ حافظ رحمت خاں 〃	بریلی شاہجہانپور	حافظ رحمت خاں نے مثل پیلی بھیت کے بریلی اور شاہجہانپور میں بھی دو مدرسے بنوائے تھے۔ اور جو انتظام پیلی بھیت کے مدرسے میں تھا وہی ان میں تھا۔
مدرسہ فرخ آباد	فرخ آباد	نواب محمد خاں بنگش والئی فرخ آباد نے تعمیر کرایا تھا۔ جس جگہ یہ مدرسہ تھا وہ اب تک مدرسہ کے نام سے مشہور اور محلہ چھاؤنی میں واقع ہے اسی کے قریب شجاعت خاں نے جو نواب احمد خاں کا خانساماں تھا۔ ایک باغ نصب کرایا تھا۔
مدرسہ اعظم	مدراس	غلام محمد غوث خاں آخری نواب کرناٹک نے اس مدرسہ کو قایم کیا تھا۔ ۱۸۵۹ء سے برٹش گورنمنٹ کی نگرانی میں ہے۔ یہ جنوبی ہند میں مسلمانوں کا سب سے بڑا مدرسہ ہے۔

نام مدرسہ	مقام	کیفیت
مدرسہ اورنگ آباد	اورنگ آباد	یہ اسلامی مدرسہ اورنگ آباد ضلع گیا صوبہ بنگال میں واقع ہے۔ مبلغ چار سو روپیہ سالانہ آمدنی کی جائداد اس وقت تک وقف ہے۔ اس کے بانی کا نام نہیں معلوم ہو سکا۔
مدرسہ سہسرام	سہسرام	سہسرام صوبۂ بنگال میں حضرت شاہ کبیر علیہ الرحمۃ کی خانقاہ کے متعلق یہ مدرسہ جاری ہے۔ اس کا سالانہ خرچ پانچ ہزار روپیہ ہے۔ اس کے متعلق ایک عظیم الشان کتب خانہ بھی ہے۔ جو تخمیناً ایک لاکھ روپیہ مالیت کا بیان کیا جاتا ہے۔ اس مدرسہ اور خانقاہ کے اخراجات کے واسطے کثیر آمدنی کی جائداد فرخ سیر اور شاہ عالم بادشاہ کے وقت سے وقف ہے۔
مدرسہ عربی فتح پوری	دہلی	فتحپوری بیگم شاہجہاں کی ایک بیگم کا خطاب تھا۔ جن کے آثار خیر سے دہلی اور آگرہ میں ایک ایک مسجد اس وقت تک موجود ہے۔ دہلی کی مسجد کے احاطہ میں انھوں نے ایک مدرسہ بھی تعمیر کرایا تھا جو اب تک جاری ہے۔ اس میں ایک بورڈنگ ہوس بھی موجود ہے مسجد اور مدرسہ کی کل آمدنی اس وقت

نام مدرسہ	مقام	کیفیت
		آٹھ سو روپیہ ماہوار سے زیادہ ہے۔ جس میں سے سو روپیہ ماہوار مسجد کے اخراجات کے واسطے مخصوص ہیں اور دو سو روپیہ ماہوار مدرسہ پر خرچ کیا جاتا ہے بقیہ روپیہ بنک میں جمع کیا جاتا ہے۔ مدرسہ کے متعلق ایک چھوٹا سا کتب خانہ بھی موجود ہے۔

ہندوستان کی گذشتہ تعلیمی حالات دکھانے کے واسطے تاوقتیکہ اُن مشہور و معروف علما اور مشہور مدرسوں کے حالات جن کی تمام عمر درس و تدریس میں گذری اور جن کے حلقہ درس سے سیکڑوں ہزاروں طالب علم فارغ التحصیل ہوکر نکلے نہ بیان کئے جائیں تو یہ مضمون غیر مکمل رہے گا لہذا ہم بہت مختصر طور سے بطور فہرست کے چند مشہور علما کے حالات ذیل میں درج کرتے ہیں جنہیں بطور نمونہ کے سمجھنا چاہیئے۔ ورنہ اگر ہندوستان کے کُل ایسے علما کے مختصر حالات بھی لکھے جائیں تو اُس کے واسطے کئی ضخیم جلدوں کی ضرورت ہے۔

ہندوستان کے مشہور مشہور مدرسوں کی فہرست

نام	مقام	کیفیت
خواجہ ضیاء الدین نخشبی	بدایوں	نخشب کے رہنے والے تھے۔ ہندوستان میں وارد ہوکر بدایوں میں مقیم رہے نہایت درجہ کے عالم فاضل اور صاحبِ نسبت بزرگ تھے۔ علم طب اور موسیقی میں بھی آگاہی رکھتے تھے تمام عمر درس و تدریس میں مشغول رہے سنہ ۵۱ھ میں انتقال کیا۔ بہت سی تصانیف مثل سلک السلوک۔ عشرہ مبشرہ۔ کلیات۔ جزئیات طوطی نامہ۔ شرح فاطلبنی تجدنی۔ چل ناموس وغیرہ یادگار چھوڑیں۔
مولانا سید علاء الدین اصولی	"	سید شرف الدین اعلیٰ کے بیٹے تھے علوم ظاہری معقول و منقول و اصول و کلام و فقہ و حدیث کے عالم متبحر تھے۔ حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیا رح کی اوستادی کا فخر آپ کو حاصل تھا۔ اور حضرت نے کتاب قدوری ان ہی سے پڑھی تھی۔
مولانا رضی الدین	بدایونی	چغانہ (ماوراء النہر) کے رہنے والے تھے۔ زمانہ قطب الدین ایبک۔ یا شمس الدین التمش میں ہندوستان میں وارد ہوکر بدایوں میں سکونت پذیر ہوئے اکابر علما اور اجلہ اولیا سے تھے علم حدیث کے بڑے فاضل

نام	مقام	مختصر حالات
		تھے۔ چنانچہ کتاب مشارق الانوار جس میں تیس ہزار حدیثیں آپ نے جمع کی ہیں۔ آپ کی یادگار ہے۔
علامہ زماں قاضی کمال الدین جعفری	بدایونی	بڑے عالم فاضل تھے۔ فقہ میں کتاب مغنی آپ کی تصنیف سے ہے بدایوں کے قاضی تھے اور تمام عمر درس و تدریس میں مشغول رہے۔ ان کے بیٹے شیخ برہان الدین بھی علماءِ عصر سے تھے۔
شیخ عبداللہ عارف باللہ	"	سمانہ ملک پنجاب کے رہنے والے اور قوم ہنود سے تھے۔ بچپن میں ایک دن بوستاں کا سبق اُستاد سے پڑھتے تھے جب اس بیت کو پڑھا۔ محال است سعدی کہ راہِ صفا + تواں رفت جز در پئے مصطفےٰ اُستاد سے پوچھا کہ اس کے کیا معنی ہیں۔ چونکہ یہ ایک مذہبی بات تھی اُستاد نے اول تو ٹالنا چاہا مگر جب انہوں نے یہ کہا کہ تاوقتیکہ آپ اس شعر کے معنی نہ بتادیں گے میں آگے سبق نہ پڑھوں گا تو استاد نے اس شعر کے معنی بتلا کر آنحضرتؐ کے مختصر حالات بھی بیان فرمائے۔ آپ نے یہ حالات

نام	مقام	مختصر حالات
		سنتے ہی کلمہ طیبہ پڑھا اور ایمان لائے اس کے بعد سفر دہلی اختیار کیا اور اکثر بزرگان روزگار سے علم ظاہری اور باطنی حاصل کیا اس کے بعد سالہا سال بدایوں میں درس اور استفادہ لوگوں کو فرماتے رہے اُن کے شاگردوں میں بڑے بڑے نامی عالم ہوئے۔ لوگ دور و دراز سے علم حاصل کرنے کو اُن کے پاس آتے تھے۔ ملّا عبدالقادر بدایونیؒ صاحبِ منتخب التواریخ نے بھی علم کلام میں کتاب شرح صحائف اور اُصول فقہ میں کتاب تحقیق آپ سے پڑھی تھی لکھتے ہیں کہ بڑے بڑے صاحب استعداد طالب علم سبق میں شریک ہوتے تھے اور طرح طرح کے دقیق اشکال پیش کرتے تھے مگر میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ کو کتاب کے مطالعہ کی بھی ضرورت ہوئی ہو۔
میراں جلال بدایونی	بدایوں	سکندر لودہی کے زمانہ میں بدایوں میں تدریس و افادہ عام میں مشغول تھے۔
شیخ برہان الدین محمود ابی الخیر اسعد البلخی	دہلی	سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد کے علماء میں سے تھے۔ علوم ظاہری اور باطنی میں کمال کا درجہ حاصل تھا۔

نام	مقام	مختصر حالات
		تمام عمر درس وتدریس میں مشغول رہے۔
شیخ ابو العون عین الدین گنج العلم جنیدی	بیجاپور	۷۰۶ھ میں دہلی میں پیدا ہوے اور وطن سی ہجرت کرکے گجرات وغیرہ کے علما سے علمی فائدہ حاصل کرتے ہوئے دولت آباد میں تشریف لائے اور وہاں سید خوندمیر علاء الدین حسینیؒ سے جو دہلی کے اکابر اولیا سے تھے بیعت کی ۷[illegible]ھ میں بیجاپور میں تشریف لائے۔ آپ بہت بڑے عالم تھے علوم متداولہ میں آپ نے بہت سی تصنیفیں کیں جن کی تعداد ۱۳۲ بتلائی جاتی ہے۔ آپ نے تمام عمر پڑہانے میں صرف کی بڑے بڑے فضلا مثل سید محمد بندہ نواز گیسو درازؒ۔ شاہ زین الحق دولت آبادی۔ شیخ عبد اللہ الغزنی ابو القاسم۔ سلطان پیر ضیاء الدین غزنوی وغیرہ کو آپ کی شاگردی کا فخر حاصل ہوا۔ ۹۰ برس کی عمر میں ۷۹۵ھ میں آپ نے انتقال کیا۔ آپ کے علم کی اسوقت تک یہ شہرت ہے کہ بعض جہلا اپنے بچوں کے ذہن تیز ہونے کے واسطے آپ کے مزار کی مٹی کھلاتے ہیں۔ مزار پر جو قبہ ہے وہ خواجہ محمود گاوان وزیر محمد شاہ بہمنی کا بنایا ہوا ہے

نام	مقام	مختصر حالات
شیخ صبغۃ اللہ بھروچی۔ مدنی	بھروچ	آپ کا مزار مدینہ منورہ میں ہے ۹۵۲ھ میں بمقام بھروچ پیدا ہوئے۔ خیر الناس تاریخ ولادت ہے جب سن تمیز کو پہنچے تحصیل علم کا شوق پیدا ہوا اور گجرات میں آکر شاہ وجیہ الدین کے حلقہ درس میں داخل ہوے ۹ برس تک احمد آباد میں تحصیل علوم کرکے حسب الحکم اپنے اُستاد کے وطن واپس گئے اور درس وتدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ تصوف میں کتاب الواحدہ۔ رسالہ ارارۃ الدقایق شرح مرآۃ الحقایق۔ ما لا بُدّ للمرید ترک کل یوم من سنن القوم آپ کی تصنیف سے ہیں اور جواہر خمسہ مصنفہ حضرت محمد غوث گوالیاریؒ کا عربی میں ترجمہ آپ نے کیا تھا۔ آپ کے مشہور شاگرد حسب ذیل ہیں۔ شیخ عبد العظیم محمد مکی حنفی۔ شیخ علی کشایش شیخ عبد الصمد۔ شیخ ابراہیم۔ شیخ سنو۔ سید سعد بلخی۔ مولانا حبیب اللہ بیجاپوری شیخ عبد الحکیم۔ میاں یوسف۔ سید عبد اللہ۔ شاہ مرتضیٰ گادڑی۔ سید محمد بخاری۔ سید میر۔ شیخ احمد تنناوی۔
ملا حبیب اللہ بیجاپوری	بیجاپور	شیخ صبغۃ اللہ بھروچی کے شاگرد تھے۔ پیری مریدی کے

نام	مقام	مختصر حالات
		علاوہ تعلیم و تعلم سے بے حد شوق تھا۔ ہمیشہ طالب علموں کو پڑھایا کرتے تھے بہت سی کتابوں مثل شرح چغمنی شرح تجرید پر حاشیے لکھے ہیں۔ شیخ نعیم اللہ بن شمس الدین جو بڑے پرہیزگار عالم تھے۔ اور شیخ عبد الفتاح جنہوں نے ان کے ملفوظات لکھے ہیں آپ کے شاگردوں میں مشہور ہیں۔
ملا محی الدین قادری	بیجاپور	بیجاپور کے اہل دل اور نامور عالموں سے تھے یہ ملا احمد قادری کے بیٹے تھے۔
شاہ وجیہ الدین گجراتی	احمد آباد گجرات	سنہ ۹۱۰ھ میں گجرات (احمد آباد) میں پیدا ہوئے۔ سن تمیز کو پہنچکر مولوی عماد الدین طارمی کے حلقہ درس میں داخل ہوئے۔ ۲۴ برس کی عمر سے طالبعلموں کو پڑھانا شروع کیا اور ۶۴ برس سے زیادہ اسی شغل میں مصروف رہے۔ درسی کتابوں میں شاید ہی کوئی ایسی کتاب ہو جس پر انہوں نے حاشیہ نہ لکھا ہو۔ ہزارہا مخلوق کو ان سے علمی فیض حاصل ہوا ان میں سے ۸۰ آدمی بڑے بڑے فاضل ہوئے ان میں ملا حسن مراغی۔ اور عبد الرحمان بہوزا بہت مشہور ہیں۔ آپ نے اپنے درس کا نام درس محمدی رکھا تھا۔ ۲۹ محرم سنہ ۹۹۸ھ کو آپ نے انتقال فرمایا۔

نام	مقام	مختصر حالات
شیخ معین	لاہور	ملا معین واعظ صاحب معراج النبوۃ کے پوتے تھے بڑے فرشتہ خصلت بزرگ تھے اکبر کے زمانہ میں مدت تک لاہور کے قاضی رہے مگر مشہور ہے کہ اس زمانہ میں انہوں نے ایک مقدمہ بھی فیصل نہیں کیا۔ جب مدعی بہت ضد کرتا تو نہایت خوشامد اور عاجزی سے کہتے تھے کہ خدا کے لئے تم آپس میں صلح کر لو اور مجھکو اس کے مواخذہ سے بچاؤ۔ تم دونوں دانا ہو اور ایک مجھ نادان کو تم دو داناؤں سے پالا پڑا ہے خدا سے مجھے شرمندہ مت کرو۔ پڑھانے کا بہت شوق تھا۔ تنخواہ کی جسقدر آمدنی ہوتی تھی سب کاتبوں کی اجرت میں صرف ہوتی تھی۔ عمدہ عمدہ کتابیں لکھواتے تھے اور مقابلہ کر کے جلد بند ہوا کر طالبعلموں کو تقسیم کر دیتے تھے۔ تمام عمر یہی شغل رہا۔ اور ہزاروں کتابیں للہ تقسیم کر دیں سنہ ۹۹۵ھ میں وفات پائی۔
مولانا جمال تلہ	لاہور	شہنشاہ اکبر کے عہد میں لاہور کے شاہی مدرسے میں مدرس تھے۔ حاجی مہدی کے جو مشہور علما سے تھے داماد اور ملا اسمٰعیل کے شاگرد تھے جمیع علوم عقلی و نقلی

نام	مقام	مختصر حالات
		سے موصوف تھے۔ آٹھ برس کی عمر سے طالبعلموںکو پڑہانا شروع کیا تھا۔ تقریراون کی نہایت عمدہ اور صاف ہوتی تھی۔ معقول اور منقول کے مشکل مشکل دقیقہ آسانی سے شاگردوں کو سمجھا دیتے تھے۔ شیخ فیضی کی تفسیر سواطع الالہام میں اُنھوں نے اصلاح دی تھی۔ آپ کی نام سے لاہور میں ایک محلہ مشہور تہا۔ ہندوستان میں آپ کے شاگردونمیں بڑے بڑے عالم فاضل گزرے ہیں۔ جن میں سے اکثر کا ذکر اس فہرست میں موجود ہے۔
شیخ سعد اللہ نحوی	بیانہ	آپ نے بیانہ میں ایک خانقاہ بنائی تھی وہیں مقیم رہتے اور طلبا اور اہل سلوک کو تعلیم دیا کرتے تھے علم نحو میں بینظیر تھے۔ سنہ ۹۸۹ھ میں انتقال ہوا اور اُسی خانقاہ میں دفن ہوئے۔
سید شاہ میر سامانہ	اگرہ	فضائل علمی سے آراستہ اور کمالات باطنی سے پیراستہ تھے۔ اگرہ میں جمنا پار شیخ بہار الدین مُفتی کے قریب رہتے تھے۔ قناعت اختیار کرکے تمام عمر طلبا کے پڑہانیمیں مصروف رہے۔ اُنکے شاگردونمیں مولانا فرید بہت مشہور ہوئے۔

نام	مقام	مختصر حالات
میاں کمال الدین حسین شیرازی	آگرہ	مولانا حسن شیرازی کے بیٹے تھے۔ سکندر لودی کے زمانہ میں اگرہ تشریف لائے۔ اور یہیں سکونت اختیار کی۔ شیخ زین الدین نے اِن کی تعریف میں یہ شعر کہا ہے۔ ہست شیری (حسن) ز عقل و نقل خواہم بشنود | جامع المعقول و المنقول مولانا حسن۔ صاحب منتخب التواریخ لکھتے ہیں کہ ان کے کمالات اور اخلاق حد بیان سے باہر ہیں گویا آدمی کی صورت میں فرشتہ تھے۔ کبھی دہلی اور کبھی اگرہ میں رہتے تھے۔ استعداد علمی میں بڑے کامل اور شاعری اور خوشنویسی اور انشا اور املا تو اُن کے موروثی علم تھے۔" تمام عمر درس و افادہ میں مصروف رہے۔
شیخ ابو الفتح تھانیسری	اگرہ	بہت بڑے عالم تھے علم حدیث میر سید رفیع الدین سے حاصل کیا تھا پچاس برس تک سید موصوف کے محلہ میں علوم عقلی و نقلی کا درس فرماتے رہے اِن کے شاگردوں میں بہت لوگ فاضل ہوئے۔ صاحب منتخب التواریخ لکھتے ہیں کہ میں اور ملا کمال الدین حسین شرکت میں اُن سے سبق پڑہا کرتے تھے۔ آپکا

نام	مقام	مختصر حالات
		بیٹا شیخ عیسیٰ اکبر کے عہد میں آگرہ کا مفتی تھا۔
مولانا عثمان بنگالی	سنبھل	علم فضل میں بے نظیر اور سنبھل میں طالب علموں کو پڑہاتے تھے۔ میاں حاتم سنبھلی نے بہی اِن سے پڑہا تھا۔
شیخ حسین بزہری	دہلی	جتنے علوم نقلی ہندوستان میں مروج ہیں سب میں کامل تھے۔ اکبر کے عہد میں دہلی کے شاہی مدرسے مین طالب علموں کو پڑہایا کرتے تھے۔
قاضی مبارک گوپاموی	گوپامئو	حضرت شیخ نظام الدین امینھوی کے شاگرد رشید اور سب علوم میں کامل تھے اِن کی علمی شہرت کا حال سُن کر دور و دراز سے طالب علم گوپامئو آتے تھے اور اون سے کمال حاصل کرتے تھے۔ ان کے شاگردوں مین بہت سے عالم فاضل ہوے انہین میں سید محی الدین اور مخدوم شیخ بڈہ بہی تھے۔
قاضی نور اللہ شوستری	اگرہ	مذہب شیعہ کے پابند تھے۔ نیک نفسی انصاف پسندی حیا۔ تقویٰ اور جتنی صفتیں شریفوں مین چاہئیں سب اُن مین موجود تہین۔ علم اور حلم اور تیزی طبیعت اور صفائی ذہن میں مشہور تھے۔ بہت سی کتابین اُن کی تصنیف سے ہیں شیخ فیضی کی

نام	مقام	مختصر حالات
		تفسیر پر اونہوں نے ایک تقریظ نہایت عمدہ لکھی تہی۔ اکبر اور جہانگیر کے وقت میں مدتوں لاہور کے قاضی مقرر رہے اُن کے شاگردوں میں بڑے بڑے نامور فاضل ہوے۔ مزار آگرہ میں واقع ہے۔
حاجی ابراہیم محدث اکبر آبادی۔	اگرہ	اگرہ میں رہتے تھے۔ بڑے عابد و زاہد عالم تھے۔ رات دن علوم دینی و دنیوی خصوصاً علم حدیث کے پڑہانے میں مصروف رہتے تھے۔
مولانا محمد مفتی	لاہور	لاہور کے مشہور مدرسوں میں تھے۔ کمالات ظاہری اور باطنی سے موصوف اور مفتی کے عہدے پر سرفراز تھے۔
مولانا الہ داد لنگرخانی	”	لنگرخانی لاہور کے ایک محلہ کا نام تہا۔ جہاں آپ مقیم تھے آپ کو اکثر علوم متداول میں مہارت تہی اور نہایت متقی اور پرہیزگار تھے۔ تمام عمر درس میں مشغول رہے۔ انہوں نے کبھی بادشاہوں سے کوئی حاجت نہیں چاہی نہ کبھی جاگیر مدد معاش قبول کی۔
ملا علاؤ الدین لاہوری	لاہور	شیخ منصور لاہوری جو اکبر کے عہد میں صوبہ مالوہ کے قاضی القضات تھے بیٹے تھے جمیع علوم عقلی میں

نام	مقام	مختصر حالات
		بڑی مہارت تہی۔ تمام عمر درس وافادہ میں مشغول رہے جو کچہ جاگیر سے آمدنی ہوتی تہی سب طالبعلموں کے صرف مین اوٹہا دیتے ستے۔ شرح عقاید پر ایک حاشیہ لکہا تہا۔ اکبر نے ہرچند ان کو ملازمت کی تکلیف دینا چاہی مگر انہوں نے قبول نہ کی۔
مولانا میر کلاں	اگرہ	کمالات ظاہری اور باطنی خصوصاً علم حدیث میں اپنا ثانی نہ رکہتے تہے۔ زہد وتقوی انکی سرشت میں داخل تہا تمام عمر علوم دینی کا فیض ادن سے جاری رہا۔ آپ نے تمام عمر محض اس وجہ سے شادی نہ کی کہ شاید بی بی والدہ کی اطاعت نہ کرے ۹۸۱ھ میں انتقال کیا۔ اور آگرہ میں دفن ہوئے اوسوقت ان کی والدہ زندہ تہیں اور قرآن شریف کی تلاوت میں مشغول تہیں۔ جب ان باکمال سیدہ نے بیٹے کے مرنے کی خبر سنی اور لوگوں نے ان سے تجہیز وتکفین کی اجازت مانگی تو اونہوں نے صرف اناللہ وانا الیہ راجعون پڑہکر اجازت دی اور پہر قرآن شریف پڑہنا شروع کیا۔ اور کچہہ جزع فزع اُن سے ظاہر نہ ہوا

نام	مقام	مختصر حالات
شیخ بہلول دہلوی	دہلی	علم حدیث میں بڑے کامل تہے اہل دنیا سے بالکل قطع تعلق کردیا تہا اور طالبعلموں کے پڑہانے میں مشغول رہتے تہے۔
شیخ عبدالحق دہلوی	"	اکبر کے عہد کے فضلا سے تہے جمیع علوم عقلی اور نقلی کے جامع تہے۔ کمالات شاعری سے بہی موصوف اور حق تخلص کرتے تہے تصانیف سے ایک ترجمہ تاریخ مدینہ اور دوسری ہندوستان کے اولیا کے حالات مین ایک کتاب بہت مشہور ہے جس کی ذکرالاولیا تاریخ ہے۔ ابتدا میں شیخ فیضی اور مرزا نظام الدین احمد کی مصاحبت میں تہے۔ اس کے بعد حج کو تشریف لے گئے اور شیخ عبدالوہاب ہندی سے علم حدیث کی تکمیل کرکے ہندوستان میں واپس آئے اور درس وتدریس میں مشغول ہوئے۔ ہرچند شیخ فیضی نے بلایا مگر وہ نہ آئے اور لکہہ بہیجا کہ میں نے دنیوی تعلقات بالکل ترک کردئے ہیں۔
میاں الہداد لکہنوی	لکہنو	بڑے مستعد اور ذہین عالم تہے فقہ اور عربیت مین اپنا نظیر نہ رکہتے تہے۔ یہ شیخ اعظم لکہنوتی کی اولاد میں

نام	مقام	مختصر حالات
		تھے جن کا امام اعظم ثانی خطاب تھا۔ صاحب منتخب التواریخ لکھتے ہیں کہ میں نے اُن کی تصانیف سے دو چیزیں بہت عمدہ دیکھیں۔ اول ایک رسالہ تھا جس کے صفحہ کے طول میں چودہ سطریں اور عرض میں بھی اسی قدر جدول میں لکھی تھیں اور ان میں سے چودہ علموں کے احکام اور مسائل نکلتے تھے۔ دوسرا ایک رسالہ پنج مقالہ تھا جسکی عبارت مقامات حریری کے طور پر لکھی تھی اور اوسکا قبطون نام رکھا تھا۔
میاں جمال خان	دہلی	قوم کنبوہ سے تھے اپنے والد بزرگوار شیخ نصیر الدین اور اپنے بھائی میاں لاڈن کے شاگرد تھے بڑے نامور علما سے تھے جملہ علوم عقلیہ و نقلیہ خصوصاً فقہ۔ کلام اور عربیت اور تفسیر میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے مفتاح کی دونوں شرحوں کا انہوں نے محاکمہ کیا ہے۔ عضدی کو جو بڑی انتہا کی کتاب ہے چالیس مرتبہ شاگردوں کو اول سے آخر تک پڑھایا ہمیشہ علوم دینی کے درس میں مشغول رہتے تھے اُنکے اکثر شاگرد فاضل ہوئے۔ ۹۸۴ھ میں ۹۰ برس کی عمر انتقال کیا۔

نام	مقام	مختصر حالات
شیخ الہدیہ خیرآبادی	خیرآباد	شیخ صفی خلیفہ شیخ سعید کے مرید اور بڑے عالم متبحر تھے۔ ابتدائے حال میں برسوں درس و افادہ میں مشغول رہے۔ یہاں تک کہ اُن کے شاگردوں میں بڑے بڑے نامی گرامی فاضل ہوئے۔ آخر میں بالکل طریقہ صوفیہ کے پابند ہو گئے ۹۹۳ھ میں انتقال کیا۔
شیخ عزیز اللہ	دہلی	اپنے پدر بزرگوار شیخ حسن کے مرید تھے عجز و انکسار مزاج میں بہت تھا۔ اگر کوئی محتاج آدمی کسی کافر سے بھی ان کی سفارش چاہتا تو خواہ وہ کتنی ہی مسافت بعید پر ہو پاپیادہ بے تکلف چلے جاتے اور اُس کی حاجت روائی کرتے تھے۔ کمالات باطنی کے علاوہ علوم ظاہری میں بھی کامل تھے۔ تفسیر عرائس اور عوارف اور فصوص الحکم اور اُس کی شرحیں ہمیشہ شاگردوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ اُن کی تصنیف سے رسالہ عینیہ ہے جو انہوں نے شیخ مان پانی پتی کے رسالہ غیریہ کے مقابلہ میں لکھا تھا۔ اُس میں مسئلہ وحدت وجود کے بہت باریک نکتہ بیان کئے ہیں ۹۷۵ھ میں اُن کا انتقال ہوا قطب طریقت تاریخ وفات کی

نام	مقام	مختصر حالات
		تاریخ ہے۔
شیخ جلال تھانیسری	تھانیسری	شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے خلیفہ تھے۔علوم ظاہری اور باطنی کے جامع تھے بہت دنوں تک علوم دینیہ کا افاضہ کرتے رہے آخر علوم رسمیہ کو چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیا کی ٩٠٩ھ میں انتقال کیا۔
سید مولانا رفیع الدین صفوی محدث اکبر آبادی	آگرہ 〃	آپ بڑے عالی خاندان سے تھے اور علما اور محدثین عالی رتبہ میں شمار ہوتے تھے۔ سکندر لودی کے زمانہ میں آگرہ میں آکر آباد ہوئے۔ بادشاہ نے حضرت مقدسہ خطاب دیا تھا۔تمام اہل اسلام کے دلوں پر اُن کا نیک اثر تھا۔اور بادشاہ وقت بھی ہمیشہ اُن سے فتوےٰ طلب کرتے تھے۔تمام عمر درس وتدریس سے لوگوں کو فیض پہنچاتے رہے باوجود شاہان وقت کے اصرار کے دربار کی نوکری کبھی نہیں کی ٩٥٤ھ میں آگرہ میں انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئے۔
ملا محمد فاضل	لاہور	بدخشاں کے رہنے والے تھے۔سن تمیز پر پہنچکر اول کابل میں آئے اور ملا محمد صادق حلوائی کے شاگردوں

نام	مقام	مختصر حالات
		میں داخل ہوئے۔پھر توران گئے اور ملا مرزا جان شیرازی اور ملا محمد یوسف سے فیض حاصل کیا۔وہاں سے لاہور میں وارد ہوئے اور مولانا جمال تلو سے تفسیر اور اصول کی تعلیم حاصل کی اور علوم عقلیہ اور نقلیہ میں کمال پیدا کیا جہانگیر کے زمانہ میں منصب عدالت پر سرفراز تھے سنہ جلوس شاہجہانی میں لاہور کے مدرس مقرر ہوئے اور تمام عمر اسی خدمت پر مامور رہے
ملا عبدالحکیم سیالکوٹی	سیالکوٹ آگرہ وغیرہ	ہندوستان کے مشہور علما فضلا میں آپ کا شمار ہوتا ہے یہ اور علامی سعداللہ خاں دونوں ایک ساتھ ملا کمال کشمیری سیالکوٹی سے پڑھتے تھے۔یہ سعداللہ خاں سے سبق میں پیش قدم تھے۔مگر سعداللہ خاں قسمت کے پیش قدم نکلے اور علامی کے خطاب سے موصوف ہو کر بڑھتے بڑھتے شاہجہاں کے وزیر ہو گئے۔ انہیں جہانگیر کے عہد میں مدد معاش کے نام سے کچھ جاگیر مل گئی تھی۔شاہجہاں کے عہد میں کئی گاؤں جاگیر میں ملے۔اور ہمیشہ انعام و اکرام سے سرفراز ہوتے رہے اور تمام عمر درس وتدریس میں مصروف رہے۔اکبر آباد کے

نام	مقام	مختصر حالات
		شاہی مدرسہ میں مدتوں مدرس اول رہے۔ اُن کی اکثر تصانیف مشہور ہے۔
ملا یوسف لاہوری	لاہور	مولانا جمال لاہوری کے شاگرد اور منقولات میں اعلےٰ درجہ کی مہارت رکھتے تھے۔ ۵۰ برس تک درس میں مشغول رہے اور ان کے شاگردوں میں بڑے بڑے صاحب کمال ہوئے۔ ۰۰ برس کی عمر میں شاہجہاں کے عہد میں انتقال کیا۔
ملا عبدالسلام لاہوری	"	لاہور کے مفتی تھے۔ ادب۔ فقہ۔ اصول۔ اور جملہ علوم عقلی و نقلی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ ۶۰ برس تک درس دیتے رہے۔ اُن کے شاگردوں میں بہت سے فاضل ہوئے۔ ۰۰ برس کی عمر سنہ ۱ جلوس ۱۰۳۷ھ شاہجہان میں انتقال کیا۔
ملا عبدالسلام دیوی	"	ملا عبدالسلام لاہوری کے شاگرد اور جامع علوم معقول و منقول تھے۔ مدت دراز تک لاہور میں درس و تدریس میں مشغول رہے۔
ملا میرک شیخ ہروی	اگرہ	ہرات سے ہندوستان میں آئے اور لاہور میں ملا عبدالسلام لاہوری کے حلقہ درس میں داخل ہو کر

نام	مقام	مختصر حالات
		علم و فضل حاصل کیا۔ شاہجہاں کے وقت میں ملازمت شاہی میں منسلک ہو کر اول شاہزادہ دارا شکوہ اور اس کے بعد شاہزادہ مراد کی تعلیم و تربیت پر مامور ہوئے۔
ملا عبداللطیف سلطان پوری	اگرہ	مولانا جمال لاہوری کے شاگرد رشید اور جمیع علوم عقلی و نقلی میں اپنے عہد میں بے نظیر سمجھے جاتے تھے۔ اول ملازمت شاہی میں داخل اور شاہزادہ دارا شکوہ کی تعلیم و تربیت پر مامور تھے۔ اس کے بعد بوجہ ضعیفی بادشاہ نے جاگیر مقرر کر کے وطن میں رہنے کی اجازت دی اور وہاں تمام عمر علوم دینیہ کا درس دیتے رہے۔
خطیب ابوالفضل گازرونی	گجرات	شیخ مبارک کے استاد تھے۔ انہیں شاہان گجرات کی علمی قدر دانی نے شیراز سے کھینچا تھا گجرات میں ان ہی کی برکت نے علم و حکمت کا خزانہ کھولا اور دانش و دانائی کو نئی روشنی دی یہ مولانا جمال الدین دوانی کے شاگرد تھے۔ شیخ مبارک نے ان ہی کے نام پر اپنے بیٹے کا نام ابوالفضل رکھا تھا۔

نام	مقام	مختصر حالات
شیخ مبارک	آگرہ	۶ محرم سنہ ۹۵۰ھ کو آگرہ میں وارد ہو کر میر رفیع الدین صفوی کے ہمسائے میں اترے اور درس و تدریس میں مشغول ہوئے۔ شیر شاہ اور سلیم شاہ نے جاگیر اور وظیفہ مقرر کرنا چاہا مگر انہوں نے قبول نہ کیا۔ ملا عبداللطیف سلطانپوری اور شیخ عبدالنبی سے جو فضیلت او پارسائی کے دعووں سے سلطنت میں دخیل تھے اور ان سے سخت عداوت رکھتے تھے انہیں اکثر تکلیف پہنچی مگر انہوں نے توکل کو نہ چھوڑا اور برابر درس و تدریس میں مشغول رہے۔ ہمایوں کے عہد میں ان کے مدرسہ کو بہت رونق ہوئی۔ اور ایران و ترکستان کے دانا و دانش پسند لوگ ان کے مدرسے میں آنے لگے۔ اور ان سے علوم کا زیادہ چرچا پھیلا۔ ہیموں کی بغاوت کے زمانہ میں پھر مدرسہ بند ہو گیا۔ جب اکبری دور شروع ہوا۔ عالم میں امن و اماں ہوا۔ شیخ کا مدرسہ پھر گرم ہوا اور علوم عقلی و نقلی کے درس و تدریس ایسی چمکی کہ شیخ کے نام پر علم و کمال کے طلبگار ملک ملک سے آنے

نام	مقام	مختصر حالات
		لگے۔ تھوڑے دنوں بعد ان کے باکمال بیٹے فیضی اور ابوالفضل دربار اکبری میں جا پہنچے۔ اور ان کے ساتھ ان کا بھی بہت اعزاز و اکرام ہونے لگا۔ سنہ ۱۰۰۳ھ میں انتقال کیا۔

ہندوستان کے کتب خانے

اس زمانہ میں مسلمانوں کو تحصیل علوم و فنون کا اس قدر شوق تھا کہ وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے واسطے سیکڑوں ہزاروں کوس کی مسافت کو طے کرنا ایسا آسان سمجھتے تھے جیسا آج ہم ایک محلہ میں سے دوسرے محلہ میں جانا آسان سمجھتے ہیں۔ شاید ہی کوئی ایسا فاضل ہوگا جس نے سیکڑوں کوس کی مسافت طے کر کے متعدد اہل فضل و کمال سے فیض حاصل نہ کیا ہو اور اپنے فن میں نامور ہوا ہو۔ اس کے مقابلہ میں آج یہ حالت ہے کہ باوجود طرح طرح کی آسانیوں کے تعلیمی حالت میں مسلمان ہی سب قوموں سے گرے ہوئے ہیں اور جو تھوڑا بہت پڑھتے بھی ہیں تو علم کو علم کی غرض سے نہیں بلکہ محض گورنمنٹ کی ملازمت حاصل کرنے کے واسطے پڑھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اصلی علمی ترقی مفقود ہے۔

دنیا میں جب تک چھاپہ خانہ کا رواج نہ تھا کتابوں کی بڑی قدر ہوتی تھی۔ ایک

ایک کتاب سیکڑوں ہزاروں روپئے کے صرف سے تیار ہوتی تھی۔ آج چھاپہ کی برکت سے وہ نادر و نایاب کتابیں جو ایک زمانہ میں عام طور سے دیکھنے کو بھی نصیب نہ ہوتی تھیں گھر گھر اور دوکانوں پر موجود اور ماری ماری پھرتی ہیں۔ مگر بقول پروفیسر آزاد "ہمیں بے پروائی آنکھ اٹھاکر نہیں دیکھنے دیتی۔ لوگ شکایت کرتے ہیں کہ پہلے بزرگوں کی طرح اب لوگ صاحب کمال نہیں ہوتے لیکن پہلے جو لوگ کتابیں دیکھتے تھے۔ تو اوس کے مضمون کو اس طرح دل و دماغ میں لیتے تھے جس سے اُس کے اثر دلوں میں نقش ہوتے تھے۔ آجکل کے لوگ پڑھتے بھی ہیں تو اس طرح صفحوں سے عبور کر جاتے ہیں۔ گویا بکریاں ہیں کہ باغ میں گھس گئی ہیں جہاں منہ پڑ گیا ایک بکٹّا بھی بھر لیا۔ باقی کچھ خبر نہیں۔ ہوس کا چرواہا ان کی گردن پر سوار ہے۔ وہ دبائے لئے جاتا ہے۔ یعنی امتحان پاس کرکے ایک سند لو اور کوئی نوکری لیکر بیٹھ رہو"

ہندوستان میں مسلمان فرمانرواؤں اور امیروں نے ہزاروں لاکھوں روپئے کے صرف سے نادر و نایاب کتابوں کو لکھوایا۔ بڑے بڑے کتب خانے قایم کئے۔ قدیم کتابوں کو بڑی تلاش و جستجو سے بہم پہنچاکر اُن کے فارسی میں ترجمے کرائے اور اُن سے اپنے کتب خانوں کو زینت دی۔ ہندوستان کا کوئی شاہی خاندان ایسا نہ تھا جس کا عظیم الشان کتب خانہ موجود نہ ہو علما۔ فضلا۔ امرا۔ وزرا۔ نے اپنے اپنے علیحدہ کتب خانہ قایم کر رکھے تھے جو اکثر طالب علموں کے واسطے وقف تھے۔

قاعدہ کی بات ہے کہ علمی قدردانی اور کتابوں کی حفاظت امن و آماں کے زمانہ میں ہوا کرتی ہے۔ ہندوستان کے روزمرّہ کے ملکی تغیرات اور طوائف الملوکی نے یہاں کے تمام کتب خانوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ سب سے اخیر میں سلاطین مغلیہ نے

جو بے نظیر کتب خانہ قایم کیا۔ وہ ۱۸۵۷ء کے خوفناک غدر میں ضایع ہوگیا۔ اور ملک کی سیکڑوں ہزاروں نادر و نایاب کتابیں کس مپرسی کی حالت میں ہمیشہ کے لئے دنیا سے نیست و نابود ہوگئیں۔ کچھ قدردانان اہل یورپ کے ہاتھ لگیں جو اُن کے کتب خانوں کی زیب و زینت کا باعث ہوئیں۔ اور جو کچھ باقی رہ گئیں ہیں وہ روزمرّہ معدوم ہوتی جاتی ہیں۔

کسی مؤرخ نے ہندوستان کے کتب خانوں کا حال نہیں لکھا۔ اس وجہ سے ہم اُن کے مفصل حالات تو تحریر کرنے سے معذور ہیں لیکن جو کچھ پتہ چلا ہے وہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

فیروز شاہ تغلق کا کتب خانہ

فیروز شاہ تغلق کو کتابوں کے جمع کرنے کا بے انتہا شوق تھا۔ اُس نے ایک بہت بڑا کتب خانہ قایم کیا تھا۔ سنہ ۷۶۲ھ میں جب اُس نے نگرکوٹ کو ایک سخت محاصرہ کے بعد فتح کیا اور وہاں کا راجہ دربار شاہی میں حاضر ہوا تو بعض لوگوں کی زبانی بادشاہ کو معلوم ہوا کہ یہاں کے مندر جوالامکھی میں برہمنوں کا ایک عمدہ کتب خانہ موجود ہے۔ اس پر بادشاہ نے وہاں کے برہمنوں کو بلاکر وہ سب کتابیں منگوائیں۔ کُل ایکہزار تین سو کتابیں برآمد ہوئیں۔ بادشاہ نے اُن کو اپنے کتب خانہ میں داخل کیا۔ اور اُن میں سے بہت سی کتابوں کا فارسی زبان میں ترجمہ کرایا۔ ان میں سب سے مشہور کتاب دلائل فیروز شاہی علوم نجوم کے بیان میں ہے جسے اُس عہد کے مشہور شاعر اعزالدین خالد خانی نے نظم میں ترجمہ کرکے اس نام سے موسوم کیا تھا صاحب منتخب التواریخ لکھتے ہیں کہ میں نے اس کتاب کو لاہور میں سنہ ۱۰۰۱ھ میں اول سے آخر تک دیکھا تھا اور اُس سے قبل اور بھی کتابیں جو سلطان فیروز شاہ کے حکم سے ترجمہ ہوئیں دیکھی تھیں

ان میں کچھ علم موسیقی اور کچھ کشتی کے داؤ پیچ کے بیان میں تھیں۔ اور بعضی کتابوں میں کچھ اور بیان تھا۔ اسی بادشاہ کے عہد میں مولانا داؤد نے اُس کے وزیر خانجہاں کے نام پر مثنوی چندائن ہندی زبان میں لورک اور چاندا کے عشق کے بیان میں لکھی تھی یہ مثنوی نہایت ذوق و شوق کی کتاب تھی۔ مخدوم شیخ تقی الدین واعظ اُس کے اکثر شعر دہلی کی مسجد میں منبر پر بیٹھکر پڑہا کرتے تھے۔ اور لوگوں کو ان کے سننے سے بہت وجد و حال طاری ہوا کرتا تھا۔ ایک دن کسی فاضل نے شیخ ممدوح سے دریافت کیا کہ اِس ہندی مثنوی کے منبر پر پڑہنے کی کیا ضرورت ہے انہوں نے جواب دیا کہ اُس کے سب مضمون موافق اقوال اہل تصوف اور مطابق آیاتِ قرانی کے ہیں۔

غازی خان کا کتب خانہ

سلطان ابراہیم لودی کے عہد میں اُس کے امیر کبیر دولت خاں لودی حاکم پنجاب کے بیٹے غازی خاں نے جو علم و فضل سے موصوف تھا ایک بہت اچھا کتب خانہ جمع کیا تھا۔ صاحب تاریخ فرشتہ لکھتے ہیں کہ جب بابر لاہور کو فتح کر کے قلعہ میں داخل ہوا تو کسی چیز سے اُس کو اس قدر خوشی حاصل نہ ہوئی جس قدر کہ اس کتب خانہ کے ملنے سے خوشی حاصل ہوئی۔ کیونکہ اس کتب خانہ میں ہر قسم کی نفیس کتابیں صحیح اور خوشخط موجود تھیں۔ بابر نے اس میں سے کچھ کتابیں اپنے واسطے رکھیں اور کچھ شاہزادہ ہمایوں کو دے کر باقی شاہزادہ کامراں کے واسطے کابل بہیجدیں۔ بابر نے اس کتب خانہ کی نسبت یہ لکھا ہے کہ اس کتب خانہ کی شہرت تو بہت تھی مگر عمدہ کتابیں کم نکلیں۔ ملّایانہ کتابیں بہت جمع کر رکھی تھیں۔

اعتماد خان گجراتی کا کتب خانہ

اعتماد خاں سلطان محمود گجراتی کا ایک ہندی غلام تھا۔ جو اُس کے عہد میں ترقی پا کر امارت کے درجہ پر پہنچا تھا اور اس کی وفات کے بعد مدت تک مظفر شاہ کے نام

سے خود سلطنت کرتا رہا اُس نے احمد آباد گجرات میں ایک عظیم الشان کتب خانہ قایم کیا تھا۔ اور اُس میں عمدہ عمدہ کتابیں جمع کی تھیں۔ جب اکبر کے عہد میں گجرات فتح ہوا تو یہ کتب خانہ بھی اُمراے اکبری کے ہاتھ لگا۔ جنہوں نے اُس کی کل کتابیں دربار شاہی میں روانہ کردیں۔ اکبر نے وہ سب کتابیں اپنے ہاتھ سے علما اور اُمرا میں تقسیم کردیں۔ صاحب منتخب التواریخ لکھتے ہیں کہ اُس میں سے چند کتابیں مجھے بھی ملی تھیں اُن میں ایک نسخہ انوار المشکواۃ کا بھی تھا جس میں ایک فصل مشکواۃ الانوار سے زیادہ تھی۔

سلاطین مغلیہ کا کتب خانہ

سلاطین مغلیہ کا کتب خانہ ہندوستان کا سب سے بڑا کتب خانہ تھا۔ اِس میں ہندوستان کے تمام شاہانِ سلف کے عہد کے کتب خانوں کی نادر و نایاب کتابیں جمع تھیں۔ ہمایوں جب ہندوستان میں دوبارہ آیا تو دہلی کے قلعہ دین پناہ میں کتب خانہ قایم کیا۔ ایک دن اسی کتب خانہ کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا کہ مغرب کی نماز کی اذان سنکر زینہ سے اُترنے لگا۔ راستہ میں پاؤں نے لغزش کی اور لڑھکتا ہوا زینہ سے نیچے گرا اور ایسی چوٹ آئی کہ اس عالمِ فانی سے انتقال کر گیا۔

اکبر کے علمی شوق اور علمی قدردانی کا حال پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اُس کے وقت میں اس کتب خانہ کو بڑی ترقی ہوئی۔ بنگالہ گجرات۔ خاندیس۔ کابل کشمیر وغیرہ کے کتب خانوں کی تمام نایاب کتابیں اس کتب خانہ میں جمع ہوگئیں۔ اکبر نے نہ صرف سنسکرت ہی کی بہت سی کتابوں کے اپنے اہتمام سے فارسی میں ترجمے کرائے بلکہ اکثر عربی اور فارسی کی کتابوں کا بھی سنسکرت میں ترجمہ کرایا۔ چنانچہ زیج میرزائی کا ترجمہ سنسکرت میں کیا گیا جس کے ترجمہ میں میر فتح اللہ شیرازی۔ ابوالفضل کشن جوتشی۔ گنگادہر۔ مہیش۔ مہانند یہ سب فضلا شریک تھے۔

اکبر کے عہد میں کتب خانہ کئی جگہ تقسیم تھا۔ کچھ حرم سرا میں۔ کچھ باہر۔ اس میں دو تقسیمیں تھیں۔ کچھ قدر و قیمت۔ کچھ علوم و فنون۔ نثر۔ نظم۔ ہندی۔ فارسی۔ کشمیری عربی الگ الگ تھیں۔ اسی انتظام سے سال بہ سال موجودات لی جاتی تھی۔ ایک امیر کتب خانہ کے اہتمام پر مامور رہتا تھا۔

جہانگیر کو پرانی کتابیں جمع کرنے کا جس قدر شوق تھا اُس کا اندازہ اس سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ شاہی کتب خانے میں امیر خسروؒ کی سب سے آخری تصنیف مثنوی تغلق نامہ کا جو نسخہ موجود تھا۔ اُس کا ایک مبحث مفقود تھا۔ جہانگیر نے تمام ہندوستان میں اس مثنوی کا دوسرا نسخہ تلاش کرایا مگر دستیاب نہ ہوا۔ مجبور ہو کر ۱۰۱۹ھ (۱۶۱۰ء) میں تمام شعرائے دربار کو حکم دیا کہ اسی طرز پر طبع آزمائی کر کے مبحث مفقود کو پورا کریں۔ سب نے طبع آزمائی کی لیکن بادشاہ کو حیاتی کاشی کی نظم پسند آئی اور اُس کو تغلق نامہ میں داخل کیا۔ اور اس کے صلے میں شاعر موصوف کو زر سرخ و سفید سے وزن کرا کر ہموزن چھ تھیلیاں جن میں چھ ہزار اشرفیاں اور روپے تھے انعام میں مرحمت کیں۔ سعیدائے گیلانی نے اس کی یہ تاریخ لکھی ہے۔

چوں حیاتی را بہ زر سنجید شاہنشاہ عصر	بادشاہ عدل گستر شاہ گردوں اقتدار
شاہ نورالدین جہانگیر ابن اکبر بادشاہ	آفتاب ہفت کشور سایۂ پروردگار
بہر تاریخش برے گفتہ میزان چرخ	شاعر سنجیدۂ شاہی رقم زد روزگار

شاہجہاں اور عالمگیر کے عہد میں بھی کتابوں کے جمع کرنے کا شوق بڑھتا گیا۔ اکثر اُمرا اپنے پیشکشوں کے ساتھ نادر و نایاب کتابیں پیش کر کے بادشاہ کو خوش کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ شاہجہاں کے عہد میں جب تربیت خاں نامی ایک امیر نذر محمد خاں والئی بلخ کے دربار میں سفیر ہو کر گیا۔ اور اُس نے ۲۴۔ رجب ۱۰۵۴ھ کو وہاں سے واپس ہو کر وہاں

کے نفیس اور بیش قیمت تحائف پیشکش کئے تو جس چیز سے سب سے زیادہ بادشاہ خوش ہوا وہ ایک نہایت عمدہ قرآن شریف تھا۔ جسے شاد ملک خانم بنت سلطان محمد بن جہانگیر میرزا بن امیر تیمور نے خط ریحان میں کمال حسن و لطافت سے لکھا تھا۔ اور خاتمہ پر اپنا نام اور نسب بھی لکھا تھا۔ اسی طرح عالمگیر کے عہد میں سنہ جلوس میں بخشی الملک مخلص خاں نے دیوان صائب جس میں ایک لاکھ بیتیں تھیں اور خود صائب کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا پیشکش کر کے بادشاہ کو محظوظ کیا۔

اکبر۔ جہانگیر۔ شاہجہاں۔ عالمگیر کے عہد میں بے شمار مشہور خوشنویس مثل زریں رقم محمد حسین کشمیری۔ عبدالصمد شیریں رقم۔ ملا حسین کشمیری۔ رشیدائی خوشنویس۔ میر عبداللہ مشکیں رقم۔ میر محمد صالح۔ روشن قلم وغیرہ بڑی بڑی تنخواہوں پر صرف کتابیں نقل کرنے پر مامور تھے۔ اُس عہد کی جس قدر کتابیں دیکھنے میں آتی ہیں عموماً مطلا و مذہب اور خوشخط پائی جاتی ہیں۔

سلاطین مغلیہ کے عہد میں شاہی کتب خانے کے علاوہ اُمرا و وزرا۔ اور دیگر اہل علم کے کتب خانے علیحدہ موجود تھے۔ چنانچہ ملک الشعرا فیضی کے مرنے کے بعد چار ہزار چھ سو جلدیں نفیس صحیح کی ہوئی اُس کے کتب خانہ سے برآمد ہوئیں۔ جن میں اکثر بخط مصنف یا عہد تصنیف کی تھیں یہ سب سرکار بادشاہی میں داخل ہو گئیں۔ فہرست پیش ہوئی تو کل کتابیں تین قسموں میں تقسیم کیں۔ اعلیٰ نظم۔ طب۔ نجوم۔ موسیقی۔ اوسط حکمت۔ تصوف۔ ہیئت۔ ہندسہ۔ ادنیٰ تفسیر۔ حدیث۔ فقہ وغیرہ۔ ان میں ۱۰۱ جلدیں نلدمن کی تھیں۔

باب دوم

محکمہ طب اور شفاخانے

ہندوستان کے سلاطین سلف کے عہد میں عام طور سے یہ قاعدہ تھا کہ ملک کے بڑے بڑے نامور اطبا کے دربار شاہی سے بیش قرار وظیفے مقرر ہو جاتے تھے معمولی طبیبوں کو جو ہر شہر اور قصبہ میں ہوتے تھے۔ مدد معاش کے نام سے جاگیر مل جاتی تھی یہ طبیب اپنی اپنی جگہ امیر غریب سب کا علاج کرتے اور مفلس اور محتاج بیماروں کو دوا بھی اپنے پاس سے دیتے تھے۔ شاہی وظیفہ یا جاگیر کے علاوہ اُمرا اور متمول لوگوں سے بھی تنخواہ یا نذرانہ کی صورت میں اس قدر امداد ملتی تھی کہ جو دواؤں کے اخراجات کے علاوہ ان کی عزت و وقعت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کو کافی ہوتی تھی۔ یہ ہی طبیب طلبائے علم طب کو درس بھی دیتے تھے۔ چونکہ ملک میں یہ پیشہ نہایت اعزاز اور وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اور اس کے ذریعہ سے دربار شاہی تک رسائی ممکن تھی لہذا طبیبوں کی اولاد عموماً طب کی تحصیل میں مشغول رہتی تھی اور ہر طبیب کو اپنے فن میں کمال پیدا کرنے کا شوق رہتا تھا۔ اسی سلسلہ کی بدولت ہر عہد میں بڑے بڑے نامور اور مشہور اطبا ملک میں پیدا ہوتے رہے۔

جب ہندوستان میں برٹش حکومت قائم ہوئی اور یونانی طبابت کی جگہ ڈاکٹری علاج کی قدردانی شروع ہوئی ملک میں جا بجا سرکاری شفاخانے کھولے گئے اُس دن سے

یونانی طبابت کو کس مپرسی کی وجہ سے تنزل ہونا شروع ہوا۔ جو صاحب کمال طبیب مرتا گیا۔ پھر کوئی اُس کا ثانی پیدا نہ ہوا۔ اور کیونکر ہوتا یہ سب باتیں قدردانی سے پیدا ہوتی ہیں نہ قدردانی رہی نہ کسی کو کمال پیدا کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ رفتہ رفتہ اب یہاں تک نوبت پہنچی ہے کہ یونانی طبابت صرف چند روز کی مہمان معلوم ہوتی ہے اور اُس میں بے پڑھے خاندانی حکیموں کے سوائے ذہی استعداد اور طبیب حاذق خال خال ہی نظر آتے ہیں۔

جن طبیبوں کا اوپر ذکر ہوا یہ عام طور سے اپنے اپنے گھروں پر علاج کرتے تھے۔ اس طریق کے علاوہ اکثر بادشاہوں نے شفاخانے بھی جاری کئے تھے۔ مگر ہمارے مؤرخین نے ان باتوں کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے اس وجہ سے نہ تو آج ہندوستان کے اسلامی شفاخانوں کی مکمل فہرست تیار ہو سکتی ہے نہ کسی شفاخانے کے مفصل حالات معلوم ہو سکتے ہیں البتہ اگر کہیں ضمنی تذکرہ میں کچھ ذکر آگیا ہے تو اُس سے ان شفاخانوں کا بھی کسی قدر پتہ چلتا ہے۔ مجھے نہایت تلاش و جستجو اور بہت سی تاریخوں کی ورق گردانی سے جس قدر حالات دستیاب ہوئے ہیں وہ ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔ مجبوراً ناظرین کو انہیں پر قناعت کرنی چاہئے۔

محمد شاہ تغلق کے عہد کے شفاخانے

محمد شاہ تغلق کے عہد (۷۲۵ھ/۱۳۲۴ء لغایة ۷۵۲ھ/۱۳۵۱ء) سے پہلے کسی شفاخانہ کا پتہ نہیں ملتا۔ شمس العلماء مولانا شبلی نے جو رسالہ اسلامی حکومتیں اور شفاخانے کے نام سے لکھا ہے۔ اُس میں ہندوستان کی نسبت تحریر فرمایا ہے کہ "ہندوستان میں بھی کثرت سے شفاخانے موجود تھے اور اگر ہم مقریزی کی روایت کا اعتبار کریں تو صرف ایک شہر دلی میں ستر شفاخانے جاری تھے۔"[1]

(۱) رسائل شبلی صفحہ ۱۵۔

محمد شاہ تغلق کے بعد فیروز شاہ تغلق تخت نشین ہوا۔ اس کو رفاہِ عام کے کاموں سے بہت دلچسپی تھی اُس نے اپنے عہد (۷۵۲ھ / ۱۳۵۱ء لغایۃ ۷۹۰ھ / ۱۳۸۸ء) میں دہلی میں ایک شفاخانہ جاری کیا۔ اُس میں امیر و غریب، مسافر مقیم، ہندو مسلمان سب کو دوا اور غذا مفت ملتی تھی۔ بیماروں کی خدمت کیواسطے شفاخانہ میں ملازم موجود تھے اور ہر قسم کی آرام و آسایش کا انتظام کیا گیا تھا۔ شفاخانے کے اخراجات کے واسطے بادشاہ نے بڑے بڑے زرخیز دیہات وقف کردئے تھے اس شفاخانہ کا سالانہ خرچ ۳۶ لاکھ ٹنکہ تھا۔ فیروز شاہ نے اپنی سوانح عمری میں اس شفاخانہ کی نسبت یہ لکھا ہے "میں نے خدا کی عنایت سے ایک دارالشفا بھی بنوائی ہے جس میں ادنیٰ و اعلیٰ کا علاج ہوا کرے۔ اطباے حاذق کو اس میں مقرر کیا ہے کہ مریضوں کی بیماری کی تشخیص کرکے دوا اور غذا سے اُن کی صحت کی تدبیر کریں۔ میں نے دوا اور غذا کے خرچ کے واسطے اوقاف مقرر کئے ہیں۔ مقیم، مسافر، وضیع و شریف، غلام، آزاد جو بیمار ہوں دارالشفا میں پورے طور سے اُن کا علاج ہوا کرے گا۔ اور خدا اپنے فضل سے شفا دیگا۔ خدا نے مجھے سب سے زیادہ توفیق دی کہ میری یہ آرزو ہوئی کہ میں رفاہِ عام کیلئے اس قسم کی عمارتیں تعمیر کراؤں"۔

اِس شفاخانے کے علاوہ فیروز شاہ نے چار شفاخانے اور جاری کئے مگر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ شفاخانے کس شہر میں جاری کئے گئے تھے۔

دکن کے خاندان بہمنیہ کے دسویں سرتاج سلطان علاؤالدین بہمنی نے (۸۳۸ھ لغایۃ ۸۶۲ھ) احمد آباد بیدر میں ایک نہایت عالیشان اور نفیس شفاخانہ تعمیر کراکر جاری کیا۔ اُس کے اخراجات کے واسطے کئی گاؤں وقف کئے۔ اس شفاخانے میں یونانی اور ویدک دونوں اصول کے موافق علاج ہوتا تھا اور مسلمان طبیبوں کے ساتھ ہندو وید بھی ملازم تھے۔

سلطان محمود خلجی نے اپنی دارالسلطنت مانڈو[۵۱] (مالوہ) میں ۸۴۹ھ میں ایک بہت عمدہ شفاخانہ تعمیر کرایا تھا۔ اس میں ہزاروں بیماروں کا علاج ہوتا تھا۔ بہت سے گاؤں اوس کے خرچ کے واسطے وقف تھے۔ بیماروں کی آسایش کا پورا پورا انتظام تھا۔ حکیم فضل اللہ جو حکیم الحکما کے خطاب سے موصوف اور بڑا صاحبِ کمال طبیب تھا اس شفاخانہ کا مہتمم تھا۔

سلطان سکندر لودی (۸۹۴ھ / ۱۴۸۸ء لغایۃ ۹۲۳ھ / ۱۵۱۷ء) کو علم طب سے خاص دلچسپی تھی۔ اُس نے اول امر گرھا نامی ویدک کی کتاب کا سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کرایا۔ اس کے بعد خراسان اور ہندوستان کے طبیبوں کو جمع کرکے دونوں طرح کی طب کی کتابوں سے مضامین کو انتخاب کرایا اور اُس کا نام طب سکندری رکھا۔ علم طب میں یہ کتاب بہت معتبر سمجھی جاتی ہے۔

احمد شاہ بہمنی (۸۲۵ھ لغایۃ ۸۳۸ھ) نے سالوتر نامی کتاب کا جو گھوڑوں کے علاج میں تھی فارسی زبان میں ترجمہ کرایا۔ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ راقم الحروف کے پاس موجود ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبداللہ بن صفی نے بادشاہ کے حکم سے اس کتاب کا ترجمہ کیا تھا۔

محمد قلی قطب شاہ والیٔ گولکنڈہ نے ۹۹۰ھ میں یا اِس کے قریب جب ایک نیا شہر بھاگ نگر[۵۲] کے نام سے آباد کیا تو اس میں کئی شفاخانے بنواکر جاری کئے۔ جن کی طبیبوں

۵۱۔ اب یہ مقام اور اوسکا مشہور قلعہ جہاں مسلمانوں کے عہد کی سیکڑوں نفیس عمارتیں اب بھی ٹوٹی پھوٹی موجود ہیں۔ ریاست دھار میں واقع ہے۔

۵۲۔ اب حیدرآباد کے نام سے مشہور اور حضور نظام دکن کا دارالحکومت ہے۔

کو شاہی خزانہ سے تنخواہ ملتی تھی۔ دوا اور غذا کا کافی انتظام تھا۔

اسی بھاگ نگر میں جب عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں ڈچوں کا سفیر مسٹر چیپٹر بٹاویہ سے آیا تو اس کے ساتھ ایک ڈاکٹر دے لان نامی بھی تھا۔ چونکہ بھاگ نگر میں اس وقت کوئی عمدہ طبیب یا جراح موجود نہ تھا لہذا عبداللہ قطب شاہ نے بڑے اصرار سے سفیر سے اس کو مانگ لیا۔ اور آٹھ سو ہوں (۳۲۰۰ روپیہ) ماہوار اس کی تنخواہ مقرر کر کے افسر الاطبا کے عہدے پر سرفراز کیا۔

سنہ ۲۷ جلوس میں ۱۵ صفر سنہ ۹۹۰ھ کو اتوار کے دن نوروز کا جشن تھا اکبر نے حکم دیا کہ آج ہر ایک امیر اپنی اپنی رائے کے مطابق رفاہ عام کی ایک ایک تجویز پیش کرے۔ چنانچہ حسب ذیل تجویزیں پیش ہو کر منظور ہوئیں۔

شاہزادہ سلیم	بارہ برس سے کم عمر کے بچوں کی شادی نہ ہوا کرے۔
خان اعظم مرزا عزیز کوکہ	حکام ملک کو حکم دیا جائے کہ قتل ملزمان میں دلیری اور جلدی نہ کیا کریں تاوقتیکہ حضور میں اطلاع نہ ہو کوئی ملزم قتل نہ کیا جائے کیونکہ ہر شخص عین انجام بینی اور بے غرضی نہیں ہوتی۔
راجہ ٹوڈرمل	جس طرح ہر روز بارگاہ دولت میں طرح طرح کی خیرات ہوتی ہے۔ اسی طرح امرا بھی ہفتہ یا مہینہ یا سال میں تہیدستوں کے حال پر التفات کیا کریں۔
مرزا یوسف خاں	ہر شہر اور ہر قصبہ میں سوانح نویس مقرر ہوں۔ اور روزنامچہ دربار میں آیا کرے۔
شہباز خاں	مسافروں کی آسایش کے واسطے تمام قلمرو کی گذرگاہوں پر سرائیں تعمیر ہوں۔
حکیم ابوالفتح	بیماروں کے واسطے شفاخانے قایم کیے جائیں۔
شیخ فیضی	بازاروں میں کارشناس مقرر ہوں اور ہر چیز کا نرخ مقرر کر دیا جائے۔

علی ہذا القیاس راجہ بیربر، شیخ جمال، ابوالفضل وغیرہ کی طرف سے تقرر جاسوس وغیرہ کی تجویزیں پیش ہوئیں اور سب کی رائے منظور ہوئی[۱]۔

پس قیاس غالب ہے کہ اس دن سے سلطنت مغلیہ میں شفاخانوں کی بنیاد شروع ہو گئی۔ لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس تجویز کے مطابق کہاں کہاں شفاخانے قایم ہوے صرف دارالخلافت اکبر آباد کی نسبت اس قدر پتہ چلتا ہے کہ اکبر کے عہد میں یہاں کئی شفاخانے قایم تھے۔ چنانچہ منشی سیل چند اپنی تاریخ آگرہ میں اکبر کے عہد کے حال میں لکھتے ہیں "جابجا چندیں دارالشفاء و بیمارخانہا مقرر بودند و اطبائے حذاقت پیشہ مثل وزیر خاں و مسیح الزماں ترقی ایں فنون مے نمودند"۔ اسی تاریخ میں قلعہ اور جامع مسجد کے درمیاں کی عمارتوں کے حال میں لکھا ہے۔ "و نیز مکان دارالشفا نیز درانجا سعادت اساس دارد کہ در زمان شہریاراں سلف دوا بہ غریباں مے دادند"۔ اس مقام پر اب آگرہ فورٹ کا ریلوے اسٹیشن واقع ہے۔

اکبر کے بعد جہانگیر نے تخت نشین ہو کر سب سے پہلے جو بارہ احکام صادر کیے۔ انھیں میں ایک حکم یہ تھا "دو کہ بڑے بڑے شہروں میں شفاخانے قایم کیے جائیں۔ اور انھیں اطبا کو بیماروں کے معالجہ کے واسطے تعینات کیا جائے۔ اور جو کچھ صرف ہو وہ سرکار خالصہ شریفہ یعنی خاص سرکار شاہی سے دیا جائے"[۲]۔

---

[۱] اکبر نامہ مطبوعہ مطبع منشی نولکشور جلد سوم صفحہ ۳۱۱
[۲] توزک جہانگیری مطبوعہ علیگڈہ صفحہ ۴۔ کارنامہ جہانگیر میں اس حکم کو یوں ادا کیا ہے "توزک میں اس طرح پر لکھا ہے کہ سارے بڑے بڑے شہروں کے حاکموں کو حکم دیا گیا کہ وہ دارالشفا قایم کریں اور جو بیمار اونکی امداد آئیں انکو عمدہ دوا اور مناسب بچاؤ کی کہ وہ اچھے ہوں۔ اور جب وہ دارالشفا سے جائیں تو انکو بقدر یا محتاج نقد روپیہ دیا جاوے۔ اور یہ سارے خرچ خزانہ شاہی سے اٹھائے جائیں"۔ (صفحہ ۱۰ کارنامہ جہانگیری)

افسوس ہے کہ کسی تاریخ میں ان شفاخانوں کی فہرست نہیں ملتی۔ اسقدر ضرور پتہ چلتا ہے کہ سلطنت مغلیہ کے آخری عہد تک بڑے بڑے شہروں میں شفاخانے جاری تھے چنانچہ دہلی کا شفاخانہ محمد شاہ کے عہد تک موجود تھا۔ صاحب المشاہیر حکیم قوام الدینخان (محمد مرشد) کے تذکرے میں لکھتے ہیں "انکے باپ اعظم الدینخان محمد معظم بادشاہ کے زمانہ کے علما و امرا میں تھے۔ سلسلۂ نسب نو پشت میں امام العارفین مخدوم شیخ سماء الدین سے ملتا ہے علوم عقلی و نقلی میں اپنے پدر بزرگوار کے شاگرد تھے معتمد الملوک حکیم علویخان سے مطب کیا تھا شاہی طبیبوں میں منتخب اور دار الشفا دہلی کے مہتمم تھے تین لاکھ روپیہ سالانہ دار الشفا ...

رقعات عالمگیری اور منتخب اللباب سے معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر کے عہد میں شہر سورت میں بھی شاہی شفاخانہ موجود تھا۔ چنانچہ جب اس شفاخانے کے افسر الاطبا کا عہدہ خالی ہوا۔ اور شہر سورت کے ایک بزرگ سے جن کا نام سید سعد اللہ تھا اور جنہیں بادشاہ کے مزاج میں بہت درخور حاصل تھا۔ اس عہدے کے واسطے کسی طبیب کی سفارش کی تو بادشاہ کو بہت ناگوار گذرا اگرچہ سید موصوف کی خاطر سے بادل ناخواستہ اس سفارش کو منظور کرلیا مگر آیندہ کے واسطے اس قسم کی سفارش کرنے کی ممانعت کردی چنانچہ اس کی نسبت اپنے وزیر کے نام جو حکم بھیجا تھا وہ بجنسہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے "سید سعد اللہ مکرر خطوط بما فرستادہ واظہار چیزہائے بسیار نمودہ کہ سوانح نگار بندر سورت را تغیر باید کرد وخلف حکیم انشرف متوفی را خدمت دار الشفا مقرر نمودہ بہ اضافہ یومیہ قوت دل بخشید۔ بہ سید باید نوشت کہ بعد ازیں در مقدمات اہل خدمت کہ بفحوائے آیت کریمہ ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار الایہ در حقیقت ظالم اند دخل نمودہ باشند۔ ہر چند ایں طائفہ بر غیر ظالم نباشد بر نفس خود ظالم است در ہر ورق مستدعی بودن خود بہ دعائے موت فی اللہ وا نمودہ اند حق است فی ہذا الموت حیات۔ ایں نیازمند درگاہ بے نیاز ہم ہمیشہ ایں آیہ کریمہ اللعم

نوٹ۔ المشاہیر صفحہ ۲۲۹-۲۴۰۔

فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والآخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین ورد وارد و در معنی تلقی قبل لقائیۃ الانبیاء والاولیاء اجمعین صور تما بجائے آرد۔ اگرچہ فضلائے حضور نکات عمدہ گفتہ اند اما چنانچہ باید تشفی نمی شود واں معرفت آگاہ بر تحقیق خود بر نگارد والسلام"

ملا عبد الحمید لاہوری نے بادشاہنامہ میں حکیم میر محمد ہاشم کے حال میں لکھا ہے "کہ جب شاہجہاں کو حکیم موصوف فضائل علمی خصوصاً کمالات طبی کا حال معلوم ہوا تو بادشاہ نے ان کو خدمت صدرات اور طبابت احمد آباد گجرات پر سرفراز کیا" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ احمد آباد میں بھی شاہی شفاخانہ موجود تھا۔

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر کے عہد تک شفاخانوں کا اسقدر رواج ہوگیا تھا کہ شاہی شفاخانوں کے علاوہ اکثر امرا نے بھی اپنے خرچ سے شفاخانے جاری کر رکھے تھے۔ چنانچہ عالمگیر کے عہد میں اٹاوہ کے فوجدار نواب خیر اندیش خاں کنبوہ نے اٹاوہ میں ایک شفاخانہ جاری کیا تھا جس میں بڑے بڑے نامی گرامی یونانی طبیب اور ہندی بید ملازم تھے۔ غریب بیماروں کو شفاخانہ سے دوا اور غذا مفت ملتی تھی۔ نواب موصوف خود بھی طب میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ کتاب خیر التجارب آپ کی تصنیف ہے (۱۰۴۷) اس کے دیباچہ میں اس شفاخانہ کا ذکر اس طرح تحریر فرماتے ہیں "اما بعد ایں قلیل البضاعت کثیر العصیان مسمی بہ محمد خاں مخاطب بہ خطاب خیر اندیش خاں کہ برائے اکتساب صواب آخروی در بلدۂ اٹاوہ دار الشفا بنا ساختہ اکثر اطبا مثل حکیم عبد الرزاق نیشاپوری و حکیم عبد المجید صفاہانی و مرزا محمد علی بخاری و حکیم محمد عادل و حکیم محمد اعظم حکمائے یونانی و کنول نین و سکھا نند و نبن سکھ مشران ہندی کہ رفیق قدیم ایں احقر اند مامور ساخت تا دواہائے قیمتی و سہل البیع از ہر اقسام معہ غذاہائے مایحتاج برائے مساکین و غربا مہیا

دارند۔ ولوازمات معالجات و بیمارداری باعُنوان شایستہ بتقدیم رسانند چنانچہ بفضل الٰہی حسب دلخواہ کارخانہ جاری ست انتہیٰ ۔

اب ہم سلطنت مغلیہ کے عہد کے نامور اطبا کی فہرست اور مختصر حالات ذیل میں درج کرتے ہیں یہ اطبا خاص دار الخلافت اور ملک کے مختلف حصوں میں متعین تھے۔

نام	عہد	مختصر حالات
حکیم مصری	اکبر	علوم طب میں بڑے کامل اور علوم عقلی میں بھی بڑے ماہر تھے۔ بادشاہ نے دکن سے بُلا کر حکماء پایۂ تخت میں داخل کیا تھا۔ ابو الفضل ان کی نسبت لکھتے ہیں کہ طب کو ایسا جانتے تھے کہ اگر سارے طبابت نامے نہ رہتے۔ تو یاد سے لکھ دیتے۔ لطف و محبت سے اپنے بیگانے کو خوش رکھتے تھے بعض بعض غریب امیر کسی کے علاج میں بند نہ ہوتے اور کھُلی پیشانی سے علاج کرتے تھے۔ بعضے بعضے علاج بڑے کمال کے ان سے ظہور میں آے۔ خاندیس میں بمقام برہانپور ۸۰ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ اور وہیں مدفون ہوے۔
ملا میر طبیب ہروی	"	طبیب حاذق اور معاصرین پر فایق تھے۔
حکیم ابو الفتح گیلانی	"	لاہجان علاقہ گیلان کے رہنے والے تھے سنہ ۹۸۲-۹۲

نام	عہد	مختصر حالات
		میں ہندوستان میں وارد ہو کر دربار میں داخل ہو گئے۔ رفتہ رفتہ اکبر کے مزاج میں بڑا رسوخ حاصل کیا اور مسیح الدّین کے خطاب سے موصوف ہوے۔ علم طب کے علاوہ جمیع کمالات انسانی سے موصوف تھے۔ زمانہ کے مزاج سے واقف اور اہل زمانہ کی نبض خوب پہچانتے تھے۔ سنہ ۹۹۷ھ میں جبکہ اکبر کے ساتھ کشمیر سے واپس آ رہے تھے درد شکم اور اسہال میں مبتلا ہو کر حسن ابدال میں انتقال کیا۔ اور وہیں دفن ہوے۔ شرح قانونچہ قیاسیہ۔ چار باغ اِن کی تصنیفات سے یادگار ہیں۔ منصب ہزاری پر جس کی تنخواہ ۸۲۰۰ روپے ماہوار تھی سرفراز تھے۔
حکیم زنبل بیگ شیرازی	اکبر	حکیم فخر الدین محمد شیرازی کے بھائی تھے۔ سلسلہ نسب حارث بن کلدہ سے جو عرب میں علمی طبابت کا بانی اور طبیب العرب کے خطاب سے موصوف تھا ملتا ہے۔ اکبر کے شروع عہد میں ہندوستان میں وارد ہو کر مقربان بادشاہی میں داخل ہوے۔ طب میں بےنظیر اور علم و دانش میں ممتاز تھے۔

نام	عہد	مختصر حالات
حکیم علی گیلانی	اکبرو جہانگیر	حکیم الملک کے بھانجے تھے حکمت میں ان کے اور شاہ فتح اللہ کے شاگرد تھے علوم نقلی میں شیخ عبدالغنی سے تلمذ کیا تھا۔ اکبر کے عہد میں لاہور میں تعینات تھے وہاں انہوں نے سنہ ۱۰۰۲ھ میں ایک حوض بنایا کہ پانی سے لبریز تھا عرض و طول ۲۰ × ۲۰۔ گہرا ۳ گز بیچ میں حجرۂ سنگین اسکی چھت پر بلند مناره حجره کے چاروں طرف چار پل۔ لطف یہ کہ حجرہ کے دروازہ کھلے تھے اور پانی اندر نہ جاتا تھا۔ سات برس پہلے فتحپور میں ایک حکیم نے اسی کمال کا دعویٰ کیا تھا سب سامان بنوایا۔ مگر بن نہ آیا آخر کہیں غوطہ کھا گیا۔ اس باکمال نے کہا اور کر دکھایا۔ میر حیدر معمائی نے حوض حکیم علی تاریخ کہی۔ بادشاہ بھی سیر کو آئے۔ سنا کہ جو اندر جاتا ہے رستہ ڈھونڈتا ہے نہیں ملتا دم گھٹ کر گھبراتا ہے اور نکل آتا ہے۔ خود کپڑے اوتار کر غوطہ مارا اور اندر جا کر سارا حال معلوم کیا اور باہر نکل آئے۔ جہانگیر کے عہد میں حکیم علی آگرہ میں متعین ہوئے اور یہاں بھی انہوں نے ایک ایسا ہی حوض بنایا۔ جہانگیر نے

حوض حکیم علی واقع لاہور

حوض حکیم علی واقع آگرہ

نام	عہد	مختصر حالات
		سنہ ۱۰۱۶ھ میں لکھا ہے ”آج آگرہ میں حکیم علی کے گھر اس حوض کا تماشہ دیکھنے گیا۔ جیسا کہ والد کے وقت میں اس نے لاہور میں بنایا تھا۔ چند مصاحبوں کو ساتھ لے گیا کہ انہوں نے نہیں دیکھا تھا ۶ × ۶ ہے۔ پہلو میں ایک حجرہ ہے نہایت روشن۔ رستہ اسی حوض میں سے ہے مگر پانی اس راہ سے اندر نہیں آتا۔ دس بارہ آدمی اس میں جلسہ جا کر بیٹھ سکتے ہیں۔“ اس حوض کو دیکھکر جہانگیر نے حکیم کو منصب دو ہزاری پر (۲۰۰۰) جس کی تنخواہ بارہ ہزار روپیہ (۱۲۰۰۰) ماہوار تھی سرفراز کیا۔ آگرہ میں جمنا کے کنارہ یہ مقام اب تک موجود اور حکیم کے باغ کے نام سے مشہور ہے۔ عمارت کے کچھ آثار بھی ہنوز باقی ہیں۔ مشہور ہے کہ جب جہانگیر قلعہ سے کشتی پر سوار ہو کر اس حوض کے دیکھنے کو تشریف لیچلے اس وقت حکیم نے اس قدر کیوڑہ دریا میں بہا دیا کہ تھوڑی دیر کے واسطے تمام دریا معطر ہو گیا۔
حکیم حسن گیلانی	اکبر	جمیع مکارم اخلاق اور محامد و صفات سے موصوف اور بڑے طبیب حاذق تھے۔

نام	عہد	مختصر حالات
حکیم حسن	اکبر	اکبر کے عہد کے نامور طبیبوں میں سے تھے۔
حکیم ارسطو	"	ایضاً
حکیم فتح اللہ گیلانی	"	کابل میں تعینات تھے۔ طب کی بہت سی کتابیں پڑھی تھیں۔ علم ہیئت میں بھی کافی مہارت رکھتے تھے۔ قانون کی شرح فارسی میں لکھی ہے۔
حکیم مسیح الملک شیرازی	"	حکیم نجم الدین عبداللہ بن شرف الدین حسن کے شاگرد رشید تھے۔ درویش مزاج پاک اعتقاد تھے۔ طبابت میں بڑا کمال رکھتے تھے۔ دکن سے ہندوستان میں آئے اور ملازمان شاہی میں داخل ہو کر صوبہ مالوہ میں تعینات ہوئے اور وہیں انتقال کیا۔
حکیم جلال الدین مظفر عربستانی	"	یہ صغیر سنی ہی میں شاہ طہماسپ والئی ایران کی طبابت میں مشغول تھے۔ اس کے بعد ہندوستان میں آکر ملازمان اکبری میں داخل ہوئے اور بڑی ترقی پائی۔ نہایت صالح اور پاکیزہ خیال بزرگ تھے۔ اگرچہ علمیت کم تھی مگر تجربہ بہت بڑھا ہوا تھا بیماروں کے حق میں انکا قدم بڑا متبرک گنا جاتا تھا۔
حکیم لطف اللہ گیلانی	"	یہ طب میں بڑے حاذق تھے۔ اور علم بھی بہت اچھا تھا۔

نام	عہد	مختصر حالات
حکیم سیف الملک	اکبر	فضیلت علمی اور حکمت کے علاوہ شعر گوئی میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ شجاعی تخلص تھا۔ خانخاناں بیرم خاں کے زمانہ میں ہندوستان میں رہے مگر جب خاطر خواہ ترقی نہ ہوئی تو ہندوستان سے ایران چلے گئے۔
حکیم ہمام	اکبر	حکیم ابوالفتح کے بھائی تھے۔ علم و فضل حسن لیاقت میں بےنظیر تھے ۹۹۴ھ میں عبداللہ خاں اوزبک والئی توران کے دربار میں سفارت پر بھیجے گئے۔ ۱۰۰۳ھ میں بمقام لاہور انتقال کیا اور حسن ابدال میں بھائی کے پاس سو رہے۔ منصب ششش صدی پر جس کی تنخواہ ۲۵۰۰ روپیہ ماہوار تھی سرفراز تھے۔
حکیم عین الملک شیرازی	"	فن طب کے علاوہ کمالات شاعری سے بھی موصوف تھے۔ نہایت خلیق بزرگ تھے۔ اول لاہور میں متعین تھے پھر دکن میں تعینات ہوئے اور ہنڈیہ میں انتقال کیا۔
حکیم الملک گیلانی	"	ان کا نام شمس الدین تھا۔ حکمت اور طب میں اپنے زمانہ کے جالینوس تھے علوم نقلی میں بھی کافی مہارت تھی۔ مطب کے علاوہ ہر وقت طلبا کے درس میں مشغول

نام	عہد	مختصر حالات
		رہتے تھے اور کسی وقت بغیر ان کے کھانا نہ کھاتے تھے۔ رخصت لیکر حج کے واسطے تشریف لے گئے ۹۹۸ھ میں سعادت حج سے مشرف ہوکر وہیں وفات پائی۔
حکیم شیخ حسن پانی پتی	اکبر	فن جراحی میں بےنظیر تھے۔
شیخ بینا	″	حکیم شیخ حسن کے بیٹے تھے۔ باپ کی طرح جراحی میں بڑی مہارت تھی اور ہاتھیوں کا علاج خوب جانتے تھے۔
حکیم شفائی	″	علامی ابوالفضل نے آئین اکبری میں حکمائے عہد اکبری میں شمار کیا ہے۔
حکیم نعمت اللہ	″	ایضاً۔
حکیم داوی	″	لاہور میں تعینات تھے حکیم علیم الدین وزیر خاں کو ان کی شاگردی پر فخر تھا۔
حکیم طالب علی	″	علامی ابوالفضل نے آئین اکبری میں حکمائے عہد اکبری میں شمار کیا ہے۔
حکیم عبدالرحیم	″	ایضاً
حکیم روح اللہ	″	ایضاً

نام	عہد	مختصر حالات
حکیم فخرالدین علی	″	علامی ابوالفضل نے آئین اکبری میں حکمائے عہد اکبری میں شمار کیا ہے
حکیم محمد اسحٰق	″	ایضاً
مہادیو	″	ایضاً
بھیم ناتھ	″	ایضاً
نرائن	″	ایضاً
شیو جی	″	ایضاً
حکیم روح اللہ کابلی	جہانگیر	۳ سنہ جلوس میں سو اشرفیاں اور ہزار روپے بادشاہ نے انعام میں دیے۔ ۱۴ سنہ جلوس میں جب جہانگیر بہت سخت بیمار ہوا اور تمام ہندو مسلمان طبیبوں نے جواب دیدیا تو ان کے علاج سے شفا حاصل ہوئی۔ صحت کے بعد جہانگیر نے علاوہ ترقی منصب کے تین گاؤں بطریق ملکیت اور ہموزن زر انعام میں مرحمت کیا
مقیم بید گجراتی	جہانگیر	
حکیم تقی گجراتی	″	
حکیم رکنا کاشی	جہانگیر و شاہجہاں	حکیم نظام الدین احمد کاشی کا بیٹا تھا۔ ابتدا میں شاہ عباس فرمانروائے ایران کی سرکار میں ملازم تھا۔ وہاں سے ملازمت ترک کرکے اکبر کے عہد میں ہندوستان

نام	عہد	مختصر حالات
		میں وارد ہوا۔ اور شاہی ملازمت میں داخل ہوا۔ اس کے بعد استعفا دیکر ایران چلا گیا۔ جہانگیر کے عہد میں واپس آکر پھر ملازمت شاہی میں داخل ہوا شاہجہاں کے عہد تک موجود اور ۲۴ ہزار روپیہ سالانہ تنخواہ پاتا تھا ۱۰۴۲ھ میں بوجہ ضعیفی ملازمت سے استعفا دے کر مشہد مقدس روانہ ہوا۔
حکیم صدرا مسیح الزماں	جہانگیر شاہجہاں	حکیم فخر الدین محمد شیرازی کا بیٹا تھا ۱۰۱۱ھ میں ہندوستان میں وارد ہو کر ملازمت شاہی میں داخل ہوا جہانگیر نے خطاب مسیح الزماں سے موصوف کیا ۱۳ سنہ جلوس میں بیس ہزار درب انعام میں مرحمت ہوئے ۱۶ سنہ جلوس میں رخصت لیکر حج کو گیا۔ بادشاہ نے بیس ہزار روپے سفر خرچ کے واسطے مرحمت کیے۔ شاہجہاں کے عہد میں لاہور میں تعینات تھا ۱۰۴۰ھ میں پھر رخصت لے کر حج کے واسطے گیا۔ ۱۰۴۵ھ میں وہاں سے واپس آکر سورت میں تعینات ہوا ۱۰۵۴ھ میں پچاس ہزار روپیہ سالانہ تنخواہ مقرر ہوئی اور دس ہزار روپیہ انعام میں ملے۔
حکیم ابوالقاسم گیلانی	جہانگیر شاہجہاں	حکیم شمس الدین کا بیٹا اور بڑا حاذق طبیب تھا۔ شاہجہاں

نام	عہد	مختصر حالات
		کے عہد میں منصب دو ہزاری پر سرفراز تھے۔
حکیم مومنائی شیرازی	جہانگیر و شاہجہاں	بڑا باکمال طبیب تھا۔ ایران سے آکر اول مہابت خاں کی سرکار میں ملازم ہوا اس کے بعد ملازمان جہانگیری میں داخل ہوا۔ شاہجہاں کے عہد میں ۱۰۴۲ھ میں ۱۶ ہزار روپیہ سال تنخواہ مقرر ہوئی۔ ۱۰۴۷ھ میں ۲۰ ہزار اور ۱۰۴۹ھ میں ۲۴ ہزار اور ۱۰۵۲ھ میں ۳۰ ہزار روپیہ سالانہ پر ترقی پائی ۱۰۵۴ھ میں منصب ہزاری پر سرفراز ہوا۔
حکیم حمید گجراتی	جہانگیر	جہانگیر نے مرتضیٰ خاں سے اس کے کمالات طبی کا شہرہ سن کر گجرات سے دربار میں طلب کیا جب بادشاہ کو معلوم ہوا کہ سوائے اس کے گجرات میں کوئی اچھا طبیب نہیں ہے تو ایک ہزار روپئے اور چند عدد شال مرحمت فرما کر گجرات کو واپس کیا۔ اور ایک گاؤں مدد معاش میں عطا کیا۔
حکیم یاد علی	"	جہانگیر نے اس کی بہت تعریف لکھی ہے۔ لاہور میں تعینات تھا۔ ایک دن بادشاہ اس کے مکان پر بھی گئے تھے۔

نام	عہد	مختصر حالات
حکیم عبدالشکور	"	دربار شاہی میں تعینات تھا۔ ۹ ـــہ جلوس میں جہانگیر کے سر میں شدت سے درد اُٹھا تمام اطبا علاج کرتے کرتے تھک گئے مگر دردِ سر رفع نہ ہوا آخر اس کے علاج سے شفا حاصل ہوئی۔
علی اکبر	"	فن جراحی میں بڑا کمال رکھتا تھا۔ ۱۳ ـــہ جلوس میں بادشاہ نے ایکہزار روپیہ انعام دیا۔
حکیم فتح اللہ	شاہجہان	حکیم ابوالقاسم شیرازی کا بیٹا تھا۔ ابتدا میں پچاس روپیہ یومیہ روزینہ مقرر تھا۔ ۱۰۵۵ھ میں منصب نہ صدی سے ممتاز ہوا۔
حکیم عبدالحاذق	"	حکیم ہمام کا بیٹا تھا۔ اول پندرہ ہزار روپیہ سالانہ تنخواہ مقرر مقرر تھی پھر تیس ہزار ہوئی۔ ۱۰۵۴ھ میں چالیس ہزار سالانہ مقرر ہوئے۔
حکیم خوشحال	"	حکیم عبدالحاذق کا بھائی اور منصب ہزار و یانصدی سے سرفراز تھا۔
حکیم جمالای کاشی	"	منصب ہزاری سے ممتاز اور لاہور میں تعینات تھا۔
حکیم محمد داؤد تقرب خاں	شاہجہان عالمگیر	حکیم عنایت اللہ کا بیٹا تھا۔ ایران میں شاہ عباس صفوی کا مقرب اور طبیب خاص تھا بادشاہ کے انتقال کے

نام	عہد	مختصر حالات
		بعد ۱۰۵۳ھ میں ہندوستان میں آیا۔ اور ملازمت شاہی میں داخل ہو کر اپنے کمالات طبی کی وجہ سے رفتہ رفتہ یہاں تک ترقی پائی کہ پنجہزاری کا منصب اور تقرب خاں کے خطاب سے موصوف ہوا۔
جگ جیون جراح	شاہجہان	فن جراحی میں اپنے عہد میں بےنظیر سمجھا جاتا تھا۔
حکیم صادق خاں حکیم الملک	عالمگیر	عالمگیر کے عہد کے باکمال طبیبوں میں سے تھا۔ ۱۱۱۶ھ میں جب بادشاہ کو اس کے علاج سے صحت ہوئی تو ہموزن اشرفیاں انعام میں مرحمت فرما کر حکیم الملک کے خطاب سے موصوف کیا۔
ڈاکٹر موسی مارٹین	"	یوریین ڈاکٹر تھا۔ ملازمت شاہی میں داخل اور حیدرآباد دکن میں متعین تھا۔
ڈاکٹر برنیر	"	فرانسیسی ڈاکٹر تھا بطور سیاحی کے ہندوستان میں وارد ہو کر اخیر عہد شاہجہانی میں طبیبوں کے ذیل میں ملازمت شاہی میں داخل ہوا۔ تھوڑی مدت بعد نواب دانشمند خاں وزیر خارجہ۔ شہنشاہ عالمگیر نے اپنی سرکار میں تبدیل کرالیا اور تین سو روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر کردی آٹھ برس تک یہ ڈاکٹر صاحب سلطنت مغلیہ کے

نام	عہد	مختصر حالات
		نمکخوار رہے اُنہوں نے اپنا سفرنامہ بھی لکھا ہے جسکا اُردو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔
معتمد الملوک حکیم علوی خاں	محمد شاہ	سید محمد ہاشم علوی خاں نام تھا سید عبدالہادی کے بیٹے تھے محمد شاہ کے وقت میں ایران سے ہندوستان میں وارد ہو کر زمرہ اطباے پایۂ تخت شاہی میں داخل ہوئے معتمد الملوک محمد شفائی خاں خطاب پایا۔ طب میں بےنظیر وقت تھے۔ کتاب جامع الجوامع اُن کی تصنیف سے ہے ۱۱۶۱ھ میں رحلت کی۔ چو سال رحلت علوی بہ جستم ؎ بگفت ہاتف طبابت از جہاں رفت تاریخ وفات ہے۔
حکیم قوام الدین خاں (محمد مرشد)	”	طب میں حکیم علوی خاں کے شاگرد اور دار الشفا دہلی کے مہتمم تھے۔

یہ ایک مختصر فہرست حکماے سلطنت مغلیہ کی ہے۔ ورنہ اس عہد میں صیغہ طبابت کو اسقدر وسعت تھی کہ ہر بادشاہ کے عہد میں سیکڑوں ہزاروں طبیب ملازم تھے۔ اِس فہرست میں عوام کا تو کیا ذکر مشہور و معروف طبیبوں مثل حکیم نورالدین قاری اکبری۔ شیخ حسن مقرب خاں جہانگیری۔ شیخ قاسم جہانگیری۔ حکیم علیم الدین وزیر خاں شاہجہانی۔ حکیم میر عبدالکریم شاہجہانی۔ حکیم ضیاءالدین شاہجہانی۔ حکیم عبداللہ گیلانی۔ حکیم محمد صالح و حکیم

محمد محسن و حکیم محمد مہدی و حکیم معصوم خاں و حکیم محمد شفیع و حکیم محمد رضا و حکیم محمد امین عالمگیری وغیرہ کے حالات کو بھی بخوف طوالت قلم انداز کر دیا گیا ہے۔

باب سوم

*

سڑکیں۔ سرائیں۔ نہریں۔ پل۔ تالاب۔ باولیاں وغیرہ

ہندوستان کے کسی مورخ نے فیروز شاہ تغلق کے عہد سے پہلے امورات رفاہ عام کا ذکر نہیں کیا۔ اس سے پہلے صرف شمس الدین التمش کے اُس تالاب کا پتہ چلتا ہے جو اُس نے دہلی میں بنوایا تھا۔ امیر خسرو نے اپنی مثنوی قران السعدین میں اس تالاب کی بہت تعریف کی ہے۔ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ اس تالاب کا طول دو میل اور عرض ایک میل ہے اور تمام شہر کے لوگ اسکا پانی استعمال کرتے ہیں۔

اسی سیاح کے سفرنامہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ محمد شاہ تغلق کے عہد میں ہندوستان میں بہت سی سڑکیں موجود تھیں جن کے دونوں طرف درخت لگے تھے اور منزلوں پر آرامگاہیں بنی ہوئی تھیں۔ چنانچہ وہ دہلی سے دولت آباد کے سفر کے حال میں لکھتا ہے کہ سڑک پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک دو رویہ تمام درخت ہی درخت ہیں اور مسافر کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک باغ میں جا رہا ہے۔ علاوہ اس کے ہر تین میل کے فاصلے پر ایک آرام گاہ ہے جو پیادہ قاصدوں کے لئے منزل کا کام دیتی ہے اور اور لوگ بھی آباد ہیں۔ ہر منزل پر بادشاہ کے واسطے ایک مکان بنا ہوا ہے جسمیں اُس کی شان و رتبہ کے موافق کمرے ہیں۔ دیگر مسافر بھی وہیں اترتے ہیں اس راستہ

ہیں مسافر کو کچھ ضرورت نہیں ہے کہ اپنے ساتھ زادِ راہ لے۔"

دہلی سے ملتان تک کے سفر کے حال میں لکھا ہے "کہ دہلی سے ملتان تک پچاس دن کا سفر ہے مگر ڈاک کا انتظام ایسا ہے کہ پانچ روز میں خط پہنچ جاتا ہے۔ ہرکارے اور سوار ڈاک پہنچاتے ہیں۔ میل کے ایک ایک ثلث پر گاؤں آباد ہیں اور گاؤں کے باہر ہرکاروں کے بیٹھنے کی برجیاں بنی ہوئی ہیں۔"

فیروز شاہ تغلق کا زمانہ رفاہ عام کے کاموں میں اُس عہد تک کے سب بادشاہوں کے زمانہ سے ممتاز ہے۔ اُس نے اپنے عہد میں حسب ذیل رفاہ عام کے کام کئے۔ نہریں اور تالاب۔ مسجدیں۔ مدرسے۔ خانقاہیں۔ کوشک۔ شفاخانے۔ مقبرے۔ حمام کنوے۔ پل۔ باغات بے شمار ان کے اخراجات کے واسطے وقف نامہ تحریر کئے۔

۷۵۵ھ میں دہلی کے قریب اپنے تعمیر کئے ہوئے شہر فیروز آباد میں جمنا سے ایک نہر کھدوائی ۷۵۶ھ میں دریائے ستلج سے جھجر تک ۴۸ کوس کی ایک نہر کھدوائی ۷۵۷ھ میں کوہ مندوی اور سرمور کے پاس سے جمنا کی ایک نہر نکالی اور سات نہریں اور اُس میں ملاکر ہانسی کو اور وہاں سے راس کو لیگیا اور وہاں ایک قلعہ حصار فیروزہ کے نام سے تعمیر کرایا۔ اور اُس کے نیچے ایک بڑا حوض بنوایا جس میں نہر سے پانی آتا تھا۔ اور ایک نہر گھگر سے نکالکر سرستی کے قلعہ کے نیچے تک اور پھر وہاں سے ہرنی کھیڑہ تک پہنچائی۔ اور ایک نہر جمنا سے نکالکر فیروز آباد کے تالاب میں ڈالی۔

۷۶۲ھ میں بادشاہ نہر سلیمہ کے ملاحظہ کے واسطے گئے۔ یہ نہر ایک ریتی کے ٹیلے میں سے نکلکر ستلج میں گرتی تھی اُسی کو سرستی بھی کہتے تھے۔ اور اُس کے برابر ہی ایک دوسری نہر جاری تھی۔ ایک بہت بڑا پشتہ اِن دونوں نہروں کے درمیان میں حائل تھا اگر وہ کٹ جاتا

تو سرستی کا پانی دوسری نہر میں ہوکر سہرند اور منصورپور اور سامانہ کی طرف جاری ہوجاتا۔ بادشاہ نے اس موقع کو ملاحظہ کرکے حکم دیا کہ پچاس ہزار بیلدار جمع ہوکر اِس ٹیلے کو کھود ڈالیں۔ کام شروع ہوگیا لیکن بعد کو ایسے واقعات پیش آئے کہ یہ کام اختتام کو نہ پہنچا ان نہروں سے تمام ویران زمینیں آباد ہوگئیں۔ فیروز شاہ نے بہت سے نئے دیہات بھی آباد کئے۔ اُس کے وقت میں کاشتکاروں کی حالت بہت اچھی تھی۔ غلہ مال و اسباب اور مویشی سب کے گھروں میں بھرے ہوئے تھے ہر ایک گھر میں سونا چاندی افراط سے موجود تھا۔ غرضکہ تمام رعیت شاد اور چاروں طرف کا ملک شاداب اور سوداگروں سے آباد تھا۔

فیروز شاہ نے بہت سی عجیب چیزیں ایجاد کی تھیں۔ اِن میں ایک طاس گھڑیال تھا جس کی آواز سے معلوم ہوتا تھا۔

ہر ساعتے کہ بر در شہ طاس میزنند نقصان عمر ہے شود آں یاد میدہند

نمازوں کے اوقات۔ روزہ کھولنے کا وقت۔ سایے کا حال۔ دن رات کے گھٹنے بڑھنے کا حال اس سے معلوم ہوتا تھا۔ فیروز آباد میں یہ گھڑیال لگایا گیا تھا اور شب و روز اُس کے دیکھنے کے لئے خلایق کا ہجوم رہتا تھا۔

شیر شاہ سور نے اپنے مختصر عہد سلطنت میں جس قدر رفاہ عام کے کام انجام ہوئے اُس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں بےنظیر ہے۔ اُس نے اپنے ممالک محروسہ میں حسب ذیل چار بڑی سڑکیں بنوائیں۔

(۱) قلعہ رہتاس گڈہ (پنجاب) سے ستار گاؤں (بنگالہ) تک چار مہینے کا راستہ تھا۔
(۲) اگرہ سے برہان پور دکن تک

(۳) آگرہ سے جودھپور اور چتوڑ تک

(۴) لاہور سے ملتان تک

اِن سڑکوں پر دو طرفہ میوہ دار درخت سایے کے لئے لگائے کوس کوس پر ایک ایک سرا ایک ایک مسجد ایک ایک کنواں بنوایا۔ ہر مسجد میں ایک موذن ایک امام کو تعینات کیا۔ مسافروں کے کھانے پکانے اور خدمت کے لئے ایک ہندو ایک مسلمان ملازم کو ہر سرا میں متعین کیا۔ سب سڑکوں پر سترہ سو سرائیں تعمیر ہوئیں۔ ہر سرائے میں ہندو مسلمانوں کے رہنے کے واسطے جدا جدا مکان تیار ہوئے۔ قاعدہ یہ تھا کہ ہر سرائے میں جو مسافر آکر اترتا حسب حیثیت کھانے پینے کا سامان اور مویشی کے واسطے دانہ چارہ مفت سرکار شاہی سے پاتا تھا۔ ہر سرائے میں ایک جمعدار اور چند چوکیدار مسافروں کے اسباب کی حفاظت کے واسطے متعین تھے انتظام کا یہ عالم تھا کہ ایک بڑھیا اشرفیوں کا طباق ہاتھ میں لئے ہوئے جہاں چاہے چلی جاوے۔ چور یا لوٹیرے کی مجال نہ تھی کہ آنکھ اوٹھا کر دیکھ سکے۔ شیر شاہ نے اِن سراؤں کے اخراجات کے واسطے بہت سے دیہات وقف کر دئے تھے۔

سلیم شاہ کی سرائیں

شیر شاہ کے بعد اس کا بیٹا سلیم شاہ تخت پر بیٹھا اُس نے باپ کے وقت کے تمام رفاہ عام کے کاموں کو جاری رکھا اور نہایت دریادلی سے خود بھی اُن میں اضافہ کیا۔ چنانچہ اُس نے شیر شاہ کے عہد کی دو سراؤں کے درمیان میں ایک ایک سرائے اور تعمیر کرائی۔ اور شیر شاہی سراؤں کے مطابق اُن میں بھی مسافروں کی ہر قسم کی آسائش کا انتظام کیا۔

سلاطین مغلیہ کے عہد کے رفاہ عام کے کام

اکبر۔ جہانگیر۔ شاہجہاں۔ عالمگیر۔ کے عہد میں سیکڑوں ہزاروں سڑکیں۔ نہریں۔ پُل

سرائیں تعمیر ہوئیں کہ جن کی آج مکمل فہرست پیش کرنا ناممکنات سے ہے۔ ڈاکٹر برنیر صاحب اپنے سفرنامہ میں بنگالے کے حال میں لکھتے ہیں "کہ اِس ملک کی خوشنمائی کو بیان کرتے ہوئے اِس بات کو بھی ظاہر کر دینا چاہیئے کہ اُس ملک میں جو دریائے گنگا کے دونوں طرف راج محل سے سمندر تک قریب تین سو میل کے ہے بیشمار نہریں ہیں جو دریائے گنگا سے بڑی محنت کے ساتھ اس لئے کاٹی گئی ہیں کہ تجارت کے مال کے لیجانے میں آسانی ہو اور گنگا کا پانی جس کو ہندوستانی تمام پانیوں سے اچھا سمجھتے ہیں مختلف مقامات میں پہنچ سکے اِن نہروں کے دونوں طرف قصبے اور گاؤں آباد ہیں جن میں ہندوؤں کی بہت گنجان آبادی ہے اور چاول اور نیشکر۔ اور غلہ اور بہت قسم کے ساگ پات اور سرسوں اور تل کے بڑے بڑے کھیت موجود ہیں"۔

اکبر نے پنجاب میں سلطان پور کے دریا پر بیس ہزار روپیہ کے صرف سے ابوالفضل کے اہتمام سے ایک پُل بنوایا تھا۔ سنہ ۳ جلوس میں جب جہانگیر کا گذر اِس پل سے ہوا تو معز الملک جاگیر دار نکودر کو حکم دیا کہ پُل کے قریب ایک خوبصورت عمارت اور باغ تعمیر کرائے تاکہ آنے جانے والے وہاں کی سیر سے محظوظ ہوں۔

جہانگیر کو رفاہ عام کے کاموں سے طبعی لگاؤ تھا۔ اُسنے تخت نشین ہو کر سب سے پہلے جو بارہ احکام صادر کئے اُن میں زیادہ تر رفاہ عام کے لئے ہیں۔ ایک حکم سراؤں اور کنوؤں کی تعمیر کے متعلق ہے۔ ایک حکم لاوارثی مال کے نسبت ہے کہ اُس کی آمدنی سے نئی مسجدیں۔ سرائیں۔ تالاب۔ کنوئیں۔ پل بنائے جاویں اور پورانوں کی مرمت ہوتی رہے۔

سنہ ۵ جلوس میں جہانگیر نے پانچ ہزار روپیہ کے صرف سے بابا حسن ابدال میں ایک

پل تعمیر کرایا۔ سنہ ۱۲ جلوس میں جبکہ گجرات کے دورہ پر تھا۔ ایک دن موضع باریچہ میں مقام تھا۔ راستہ میں دیکھا کہ ڈھائی تین تین گز کی دیواریں اکثر مقام پر سڑک بنی ہوئی ہیں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ حمالوں کے آرام کے واسطے لوگوں نے اس قسم کی دیواریں بنا دی ہیں۔ جب حمال تھک جاتے ہیں اپنا بوجھ ان دیواروں پر رکھکر آرام لے لیتے ہیں۔ جہانگیر کو یہ طریقہ بہت پسند آیا اسی وقت حکم دیا کہ تمام ممالک محروسہ کے بڑے بڑے شہروں میں سرکار شاہی کے صرف سے حمالوں کے آرام کے واسطے اسی قسم کی دیواریں بنا دی جائیں[۵۵]۔

سنہ ۱۳ جلوس میں جہانگیر نے گجرات سے واپسی کے وقت دریائے مہی پر خواجہ ابوالحسن میر بخشی کے اہتمام سے ایک پختہ پل تعمیر کرایا۔ جو طول میں ۱۴۰ گز اور عرض میں ۴ گز تھا۔ بادشاہ نے پل کے استحکام کے امتحان کی غرض سے اول سب سے بڑے ہاتھی گن سمندر کو معہ تین ہتھنیوں کے اس کے اوپر سے عبور کرایا۔ ان چاروں نے اسکے اوپر سے عبور کیا اور پل اپنی جگہ سے نہ ہلا[۵۵]۔

سنہ ۱۴ جلوس میں جہانگیر نے آگرہ سے لاہور تک ایک جدید سڑک بنوائی۔ اس سڑک پر ایک ایک کوس پر منارے اور تین تین کوس پر کنوئیں بنوائے۔ سڑک کے دونوں طرف میوہ دار درخت سائے کے واسطے لگوائے۔ اس کے اکثر منارے ابتک موجود ہیں۔ ڈاکٹر برنیر اپنے سفر نامہ میں اس سڑک کی بابت لکھتے ہیں "کہ چند خوبصورت کاروان سرائیں جو ایک ایک منزل کے فاصلے پر بنی ہوئی ہیں قابل الذکر مقام ہیں اور اس راستہ کے دونوں طرف سایہ کے لئے دوہری قطاریں درخت لگے ہوئے ہیں

[۵۵] تزک جہانگیری صفحہ ۲۰۰ مطبوعہ علیگڈہ [۵۵] تزک جہانگیری صفحہ ۲۴۶

اور ایک ایک کوس پر رہنمائی کی خاطر پختہ منارے اور مسافروں کے پانی پینے اور درختوں کے پودوں کی سیرابی کے لئے پختہ کنوئیں بنے ہوئے ہیں[۵۵]"۔

جس طرح کہ اس سڑک پر درخت لگائے گئے اسی طرح آگرہ سے دریائے اٹک اور آگرہ سے بنگالہ تک تمام سڑکوں پر دو طرفہ میوہ دار درخت جہانگیر کے حکم سے نصب کئے گئے تھے۔

قلعہ سلیم گڈہ کا پل اور دہلی کا بارہ پلہ بھی جہانگیر کے عہد میں تعمیر ہوا تھا۔

سلطان جلال الدین فیروز خلجی نے ۶۹۱ھ/۱۲۹۱ء میں پرگنہ خضر آباد میں دریا سے کاٹ کر ایک نہر تیار کرائی جو تیس کوس یعنی پرگنہ سفیدوں تک جہاں بادشاہ کی شکارگاہ تھی گئی تھی۔ اس کے بعد کسی بادشاہ کو اس کا خیال نہ رہا اور یہ بند ہو گئی۔

۹۶۹ھ/۱۵۶۱ء میں شہنشاہ اکبر کے عہد میں شہاب الدین احمد خاں صوبہ دار دہلی نے اس کو پھر صاف کرایا اور اپنی جاگیر تک لاکر نہر شہاب اس کا نام رکھدیا۔ ایک مدت بعد پھر یہ بند ہو گئی۔ ۱۰۴۸ھ/۱۶۳۸ء میں شاہجہاں نے سفیدوں تک پھر صاف کرائی اور وہاں سے شاہجہاں آباد تک نئی کھدوائی۔ اور جب قلعہ بن چکا تو قلعہ اور شہر میں بھی جاری کرادی اور نہر بہشت نام رکھدیا۔ سنہ ۱۸۲۰ء میں گورنمنٹ نے جابجا سے اس کی مرمت کر کے از سر نو جاری کیا چنانچہ یہ نہر ابتک جاری اور نہر جمن شرقی کے نام سے معروف ہے۔

شہنشاہ عالمگیر نے تمام شہر اورنگ آباد میں نل لگاکر آبرسانی کا سرشتہ قایم کیا تھا۔ مختلف مقامات پر بڑے بڑے حوض اور تالاب بنوائے تھے۔ یہ نل ابتک موجود بتلائے جاتے ہیں اور ان سے تمام شہر میں اسوقت تک پانی پہنچتا ہے۔

سلاطین مغلیہ کے عہد میں امرا اور اعیان دولت بلکہ خواتین نے بھی بہت سی رفاہ عام

[۵۵] ترجمہ اردو سفر نامہ ڈاکٹر برنیر جلد دوم صفحہ ۲۱۱۔

پل جونپور

کی عمارتیں تعمیر کرائیں چنانچہ اکبر کے عہد میں خانخاناں منعم خان نے ۹۷۵ھ میں دریائے گومتی پر بمقام جونپور وہ عالیشان اور مضبوط پل باندھا جو باوجود ساڑھے تین سو برس گزر جانے کے اب تک جوں کا توں موجود ہے۔ اور اس کی طرز عمارت اور تراش کی خوبیاں ہندوستان کے قدیم فن تعمیر کی شان و شکوہ کو بڑھاتی ہیں۔ اور سیاحان عالم سے داد لیتی ہیں یہ پل خانخاناں کے غلام میاں فہیم کے اہتمام سے بنا تھا پل مذکور کے جانب مشرق حمام کے پاس ایک محراب پر یہ تاریخ کندہ ہے۔

خانخاناں، خان منعم اقتدار	بستہ ایں پل را بہ توفیق کریم
نام او منعم از آں آمد کہ ہست	بر خلایق ہم کریم وہم رحیم
از صراط المستقیمش ظاہر ست	شاہ راہے سوے جنات النعیم
رہ بتاریخش بری گر افگنی	لفظ بدر را از صراطِ مستقیم

انہیں خانخاناں نے بادشاہ کے حکم سے اس پل کی تعمیر سے پہلے پل سے دکن کی جانب میں نہایت مستحکم اور عالیشان پانچ محراب کا ایک پل بنایا تھا اس کی تاریخ بھی کسی شخص نے کہی تھی اب عبور زمانہ سے حروف مٹ گئے ہیں۔ وہ تاریخ یہ ہے۔

مقامے ساخت سلطان السلاطین	سرشتہ آب و خاکش از مسرت
بہ عشرت کامراں بادا کہ آمد	در او قبلۂ ارباب حاجت
الٰہی تا قیامت باد معمور	ازیں بانی بنائے عمر و دولت
چو از پیر خرد تاریخ آں جست	حکیم پر خرد گفتا بہ عشرت

اسی طرح اکبر کے عہد ۹۷۶ھ میں ملا نور الدین نے نہر ترخونی کھدوائی تھی۔

عالمگیر کے عہد میں نواب کمال خاں بہادر نے جو جالور (اب ریاست جودھپور میں

لوٹ۔ جونپور کے دیگر پلوں کا حال ضمیمہ میں دیکھو۔

ہے) کے ناظم تھے سخاوت و فیاضی اور رفاہ عام کے کاموں میں ایسا نام پیدا کیا کہ آج تک جالور، سانچور، اور بھین مال کے بچے بچے کی زبان پر ان کا نام نیکنامی کے ساتھ چڑھا ہوا ہے۔ ان کے نام کی زیادہ تر شہرت اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے سانگی نام ندی سے جو قصبہ بھین مال سے چار پانچ کوس دکن کی جانب بہتی ہے ایک نہر کھدوا کر رانی سر تالاب میں جو قصبہ مذکور کے پاس بہت بڑا تالاب ہے ڈال دی تھی جس سے رعایا کو بہت آرام ہو گیا۔ نواب صاحب موصوف کے اس کار خیر کی تعریف میں ہندی دوہا اب تک زبان زد خاص و عام ہے۔ دوہا

سانگی گنگا سار کی — بھل آنی بھن مال
کے آوے کرتار سے — کے لایو خان کمال

یعنی سانگی جو مثل گنگا کے ہے بھین مال میں خوب لائی گئی۔ یہ یا تو خدا سے آتی یا کمال خاں لایا۔

سرائے نور محل

نور جہاں بیگم نے مسافروں کے آرام کیواسطے کئی بڑی بڑی سرائیں بنوائی تھیں جنمیں سے دو بہت مشہور ہیں ایک قصبہ نور محل (پنجاب) کی۔ دوسری موضع سرائے نور محل (تحصیل اعتماد پور ضلع آگرہ) کی قصبہ نور محل کی سرائے ۱۵ جلوس جہانگیر میں بنکر تیار ہوئی اسکے قریب ایک خوشنما باغ بھی لگایا گیا تھا۔ موضع سرائے نور محل کی سرائے کے پاس ایک پختہ تالاب بھی تھا۔ جسکے نشانات اب تک موجود ہیں۔

جہاں آرا بیگم بنت شاہجہاں نے دہلی میں ایک نہایت عالیشان کارواں سرا بنوائی تھی۔ ڈاکٹر برنیر نے اپنے سفر نامہ میں اس کا ذکر کیا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے "کہ جامع مسجد دہلی کے بعد دوسری قابل الذکر عمارت وہ کارواں سرا ہے جو شاہجہاں کی بڑی بیٹی

معروف بیگم صاحبہ نے بنوائی تھی۔ یہ ہمارے پلیس رائل کی طرح ایک بڑی اور محراب دار مربع عمارت ہے جس میں برابر برابر کوٹھریاں اور اُن کے آگے علیحدہ علیحدہ برآمدے ہیں یہ دومنزلی ہے اور جیسے علیحدہ علیحدہ کوٹھریاں اور برآمدے نیچے ہیں ویسے ہی اوپر کی منزل میں بھی ہیں۔ ایراقی۔ تورانی اور پردیسی دولتمند تاجر حفاظت کی جگہ سمجھکر اس میں آنکر ٹھیرتے ہیں۔ کاش پیرس (فرانس) میں بھی دس بیس جگہ ایسی عمارتیں ہوتیں تاکہ پردیسی آدمیوں کو وہاں پہنچتے ہی محفوظ اور معقول مکان کے حاصل کرنے میں اس قدر حیرانی نہوتی جسقدر کہ اب ہوتی ہے"

شاہان مغلیہ کے عہد کی رفاہِ عام عمارتوں کا اندازہ اس مختصر بیان سے ہرگز نہیں ہوسکتا دہلی۔ آگرہ اور ملک کے مختلف حصوں میں ہزاروں سرائیں۔ کنوئیں۔ باولیاں۔ پل تالاب وغیرہ کے نشانات اب تک موجود ہیں لیکن چونکہ ان کے حالات خاص طور سے کبھی قلمبند نہیں کیے گئے لہذا آج ہم بھی ان کی صحیح تاریخی حالات تحریر کرنے سے معذور ہیں۔

خلجی فرمانروایان صوبہ مالوہ نے اپنے ممالک محروسہ میں بہت سی نہریں۔ سرائیں۔ تالاب۔ باولیاں وغیرہ بنوائی تھیں۔ صرف شہر مانڈو میں جو اُن کا دارالحکومت تھا اور اب ویران پڑا ہے سو تالاب سے زیادہ اسوقت تک موجود ہیں۔ زمانہ حال کا ایک مؤرخ لکھتا ہے کہ یہ پختہ تالاب پچاس لاکھ روپیہ سے زیادہ لاگت میں تیار ہوے ہونگے بہت سی سراؤں۔ باولیوں وغیرہ کے نشانات بھی اس وقت تک موجود ہیں۔ منجملہ ان کے ایک چمپا باؤلی ہے جس کے چاروں طرف زمین میں سہ منزلہ اور چار منزلہ اتنی وسیع عمارت زیرزمین ہے کہ اس میں تین چار ہزار آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ اس

باولی کی عمارت ایسی خوبصورت ہے کہ شاید دنیا میں کسی جگہ ایسی خوبصورت باولی نہوگی۔ سراؤں میں ایک ملکی محل سرا بنی ہوئی تھی جس میں صرف مکہ معظمہ کے مسافر اُترتے تھے۔ اس کا صرف ایک دالان باقی رہ گیا ہے۔ اعظم ہمایوں کی مسجد کے پاس ہی ایک بہت بڑی پختہ سراے بنی ہوئی ہے اسی کے پاس ایک عظیم الشان امام باڑہ تھا جو منہدم ہوگیا صرف سبیل خانہ کا دالان باقی رہ گیا ہے اور اس پر یہ عبارت کندہ ہے "دم آبے بنجر یاد حسین" اور تھوڑی دور کے بعد پہاڑ کے نشیب میں ایک سنگین اور نہایت پرفضا مکان ہے اس میں جابجا سے پانی جھرتا ہے اور حوضوں میں فراہم ہوتا ہے۔ اور اس پر یہ بیت کندہ ہے ؎

تواں کردن تمامی عمر را مصروف آب و گل	کہ شاید یکدمے صاحبدلے اینجا کند منزل

اس بیت کے نیچے "مظفر خاں ۹۸۲ھ" کندہ ہے۔ اور ایک سمت پتھر پر یہ عبارت کندہ ہے "۴۴ ھ موافق ۱۰۰۸ھ اعلے حضرت جہاں پناہ فلک بارگاہ ظل اللہ اکبر شاہ متوجہ فتح دکن بودند باینجا عبور افتاد ؎

خندند بجا او بر دل دیوانۂ ما	تلکے گوئی بچرخ شد خانۂ ما
زاں پیش کہ بشنوند افسانۂ ما	زافسانۂ دیگراں بیا عبرت گیر

اور ایک جانب یہ عبارت کندہ ہے "در ۱۰۰۱ھ حضرت اکبر شاہ فتح دکن و خاندیس نمودہ مراجعت فرمود ؎

بر کنگرۂ مقبرۂ نوشیرواں شاہ	دیدم چغدے نشستہ در وقتِ پگاہ
کو آں ہمہ حشمت و منال و آں ہمہ جاہ	فریاد کناں زروے عبرت میگفت

محمد ۔۔۔ شاہ والئی بیجاپور نے ۱۰۶۴ھ میں افضل خاں کے اہتمام سے بیگم تالاب

تالاب سے ایک نہر کھدوائی تھی جو قلعہ کے اندر تک گئی اور جس سے بیجاپور میں بہت رونق ہوگئی۔

سلطان زین العابدین والئی کشمیر نے اپنے عہد سلطنت میں ملک کشمیر میں اس قدر نہریں تیار کرائیں کہ کوئی زمین بے آب و زراعت باقی نہ رہی۔ اس کے علاوہ تمام دریاؤں اور نہروں پر پُل تعمیر کرائے[۵۱]۔

سلطان قطب الدین بن محمد شاہ گجراتی نے احمد آباد کے پاس موضع کاکریہ میں ایک عظیم الشان تالاب پختہ بنوایا تھا۔ درمیان تالاب کے ایک نفیس عمارت اور خوشنما باغ واقع تھا۔ تالاب کے چاروں طرف عمارت اور باغ میں جانے کے واسطے پُل بنائے گئے تھے۔ سنہ ۱۲ جلوس میں جب جہانگیر گجرات تشریف لے گئے۔ صفی خاں بخشی گجرات نے اس کی مرمت کرائی تھی اور کچھ جدید عمارت بھی بنوائی تھی۔ اور جہانگیر نے تالاب کے کنارے مقام کرکے اس کی سیر کی تھی۔

نواب محمد خاں بنگش نے ۱۱۲۶ھ / ۱۷۱۴ء میں جب شہر فرخ آباد فرخ سیر کے نام پر آباد کیا تو منجملہ دیگر عمارات کے سات دروازوں پر سات سرائیں بنوائیں تاکہ جس طرف سے مسافر آوے عمدہ آرام کی جگہہ پاوے۔ مئو دروازے کے قریب بی بی صاحبہ زوجہ نواب محمد خاں نے ایک عظیم الشان سرائے تعمیر کرائی۔ مدار دروازے پر نواب مظفر جنگ نے ایک سرائے بنوائی تھی۔

نواب محمد خاں کے غلام یاقوت خاں نے جو خان بہادر کے خطاب سے موصوف تھا سنہ ۱۱۵۲ھ میں اپنے آباد کئے ہوئے قصبہ خداگنج (پرگنہ بھوجپور ضلع فرخ آباد) میں ایک

۵۱ - تاریخ فرشتہ۔

بہت بڑی پختہ سرائے بنوائی تھی۔ جس میں ایک مسجد بھی واقع تھی۔ اسی طرح اپنے دوسرے آباد کئے ہوئے قصبہ یاقوت گنج (پرگنہ بھوجپور ضلع فرخ آباد) میں بھی ایک پختہ سرائے تعمیر کرائی تھی۔

نواب احمد خاں والئی فرخ آباد کے چیلے اعظم جنگ محمد دائم خاں بہادر نے وسط شہر فرخ آباد میں ایک پختہ پُل اور مئو دروازہ کے پھاٹک پر ایک باولی معہ زینہ کی بنوائی تھی مسٹر ولیم ۔ آروِن صاحب اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ یہ پُل پُل پختہ کے نام سے مشہور ہے اور باوجود کثیر آمد و رفت اور تجارت کے ستر اسی برس تک باقی رہا۔ باولی بے مرمت ہے مگر ہنوز موجود ہے۔

نواب منتظم الدولہ حکیم مہدی علیخاں نے جو اُمرائے سرکار اودہ سے تھے بہت سے پل اور سرائیں تعمیر کرائیں اور ان کی مرمت کے واسطے زمینیں وقف کی تھیں مجھے مقامی تحقیقات سے اُن کے حسب ذیل پلوں کا پتہ معلوم ہوا ہے۔ ہر پُل کے پاس پختہ سرائے تعمیر کی گئی تھی۔

شاہجہاں پور میں دریائے کھنوت کا پُل۔ قنوج سے تین چار کوس پر کالی ندی کا پُل۔ خاص مین پوری میں عیسنی ندی کا پُل قصبہ بیور ضلع مین پوری کے قریب کالی ندی کا پُل۔

ان کے علاوہ اُن کے بنائے ہوئے اور بھی پُل بتلائے جاتے ہیں مگر مجھے اُن کا پتہ نہیں معلوم ہو سکا شاہجہاں پور کا پُل اور سرائے میں نے خود دیکھی ہے۔ یہ اب میونسپلٹی کے متعلق ہے۔ اور سرائے کے دروازہ پر انگریزی اور اردو میں حسب ذیل کتبہ لگا ہوا ہے۔

یہ سرائے و پل پختہ تعمیر کردہ عرصہ پچاس برس نواب منتظم الدولہ بہادر حکیم مہدی علیخاں جس کو نواب مرزائی بیگم صاحبہ وارثہ اُن کی نے معہ آراضی و دوکانات پیش سرائے اور وجہ مصارف بوسیلہ صرف ہمت والائے مسٹر رابرٹ جارج کرنیصاحب بہادر کلکٹر و مجسٹریٹ ضلع بہ طیب خاطر میونسپلٹی شہر شاہجہان پور کو واقع تاریخ ۱۴ جنوری ۱۸۷۷ء ہبہ کیا بالغرض بقائے نام نواب ممدوح بہ قائمی سرائے و پل مذکور اور حیثیت موجودہ کے

باب چہارم

لنگر خانے خیرات خانے

ہندوستان میں مسلمان بادشاہوں کے عہد میں بہت سے لنگر خانے اور خیرات خانے جاری تھے جن سے روزانہ غربا اور مساکین کو کچا پکا کھانا ملا کرتا تھا۔ لیکن چونکہ مورخین ہند نے اس قسم کے واقعات کو ایک معمولی بات سمجھکر قلم انداز کر دیا ہے لہذا ہم اِن کے مفصل اور عہد وار حالات بیان کرنے سے عاجز ہیں اور جو کچھ پتہ چلتا ہے وہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

ابتدا میں خانقاہوں اور بڑی بڑی مسجدوں میں لنگر خانے جاری ہوا کرتے تھے۔ شیر شاہ سور نے لنگر خانوں کے واسطے علیحدہ عمارتیں تعمیر کرا کر لنگر خانے جاری کئے ان لنگر خانوں میں محتاجوں کو نہایت لذیذ کھانے ملتے تھے۔ کُل لنگر خانوں کا خرچ پانچسو اشرفی روز کا تھا[۱]۔ ان کے علاوہ اندھے۔ لنگڑے۔ لولے۔ ضعیف۔ مریض اور بیوہ

[۱] تاریخ ہند مولفہ شمس العلما ذکاء اللہ خان۔

عورتوں کے جو لنگر خانوں میں نہیں جا سکتے تھے نقد وظیفے مقرر تھے اور وہ اُسی مقام پر جہاں وہ رہتے تھے اُنہیں ملا کرتے تھے۔

سلیم شاہ سور نے شیر شاہ کے عہد کے سب خیراتی اور رفاہ عام کے کاموں کو بدستور جاری رکھا۔ اور اپنی اور باپ کے عہد کی سراؤں میں ایک ایک خیرات خانہ اور جاری کیا۔ جس سے فقیروں اور محتاجوں کو ہر روز اتنا کھانا ملا کرتا تھا کہ جو پورے طور سے اُن کے واسطے کافی ہوتا تھا شیر شاہ کے عہد سے تمام سراؤں میں ہندو مسلمان۔ امیر غریب سب مسافروں کو کچا پکا کھانا سرکار شاہی سے ملا کرتا تھا وہ اِن خیرات خانوں کے علاوہ تھا۔ اُسے بھی سلیم شاہ نے بدستور جاری رکھا۔

۹۹۱ھ میں شہنشاہ اکبر نے شہروں اور منزلوں میں دو دو مکان تعمیر کرائے۔ جہاں ہندو اور مسلمان فقیروں کے واسطے لنگر خانے جاری کئے گئے۔ مسلمانوں کے مکان کا نام خیر پورہ اور ہندوؤں کے مکان کا نام دہرم پورہ رکھا گیا۔ اس کا کُل اہتمام ابوالفضل کے سپرد تھا[۱]۔

جب اکبر آباد کے دہرم پورہ میں ہندو جوگی کثرت سے آنے لگے تو اکبر نے اُن کیواسطے ایک علیحدہ مکان بنوا کر اُس کا نام جوگی پورہ رکھا۔

جہانگیر نے ۶ سنہ جلوس میں ۱۷۔ ذیقعد ۱۰۲۰ھ کو حکم دیا کہ ممالک محروسہ کے تمام بڑے بڑے شہروں مثل احمد آباد۔ الہ آباد۔ لاہور۔ اگرہ۔ دہلی۔ وغیرہ میں لنگر خانے جاری کئے جائیں۔ جن مقامات پر پہلے سے لنگر خانے جاری تھے بجوبیں مقامات پر اور جاری کئے گئے[۲]۔

[۱] تاریخ ہند مولفہ شمس العلماء ذکاء اللہ خان۔ [۲] توزک جہانگیری صفحہ ۹۹ و ۱۰۰

قحط گجرات و دکن و لنگر خانہ

شاہجہان کے عہد میں سنہ ۱۰۴۰ھ میں دکن اور گجرات میں بوجہ بارش نہ ہونے کے سخت قحط پڑا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ علاوہ معمولی لنگر خانوں کے برہان پور۔ احمد آباد۔ سورت وغیرہ میں اور لنگر خانے جاری کئے جائیں اور اُن میں اس قدر کھانا تقسیم ہوا کرے کہ سب بھوکوں کا پیٹ بھر جاوے۔ جو شریف لوگ لنگر خانوں میں جانا پسند نہ کرتے تھے اُن میں مختلف ایام میں ایک لاکھ روپیہ برہان پور میں اور پچاس ہزار روپیہ احمد آباد میں جہاں قحط زیادہ تھا تقسیم کیا گیا۔ ستر لاکھ روپیہ محالات خالصہ کی مالگذاری کا معاف کیا گیا جو کُل ممالک محروسہ کے محالات خالصہ کی مالگذاری کا گیارہواں حصہ تھا۔

قحط پنجاب و لنگر خانہ

سنہ ۱۰۵۵ھ میں بارش کی کمی سے پنجاب میں قحط پڑ گیا۔ شاہجہان کے حکم سے پنجاب کے مختلف مقامات میں دس لنگر خانہ جاری ہوئے۔ ہر ایک سے دو سو روپیہ روزانہ کی خوراک مسلمانوں کو پکی پکائی اور ہندوؤں کو بذریعہ جنس خام تقسیم ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ پچاس ہزار روپیہ اُن سفید پوش اور ضعیفوں میں تقسیم کیا گیا۔ جو لنگر خانوں میں نہیں جا سکتے تھے۔

سلاطین مغلیہ کے عہد کے تمام لنگر خانے محمد شاہ کے عہد تک برابر جاری رہے۔ اکثر اُمراء نے اپنی طرف سے لنگر خانے جاری کر رکھے تھے۔ آگرہ کا ایک مورخ لکھتا ہے کہ وہاں ہر کوچہ میں لنگر خانے جاری تھے اور محتاجوں اور غریبوں کو اُن سے عام فیض پہنچتا تھا۔

اس موقع پر اگر سلاطین مغلیہ کے مشہور تاجداروں اکبر۔ جہانگیر۔ شاہجہان۔ عالمگیر کی

[1] ۔ بادشاہ نامہ ملا عبد الحمید۔ جلد اول صفحہ ۳۶۲-۳۶۴- [2] حیات صالح صفحہ ۴۲۲-۴۲۳-

[3] ۔ عالمگیر نامہ صفحہ ۱۷ و منتخب الالباب جلد دوم صفحہ ۱۲۴-۱۲۵- [4] ۔ تاریخ آگرہ مولفہ سلیمنؔ۔

کی خیرات کا مختصر حال تحریر کیا جاوے تو غالباً بے موقع نہ خیال کیا جائیگا۔

رسم تولادان کی خیرات

اکبر نے ہندوؤں کی تالیف قلوب کے لئے یہاں اُن کی سیکڑوں رسمیں اختیار کر لی تھیں انہیں میں ایک تُلادان کی رسم تھی یعنی سال شمسی اور قمری کے حساب سے بادشاہ کی عمر کا کوئی سال شروع ہوتا تو بادشاہ کو سونے۔ چاندی۔ ابریشم۔ خوشبو۔ لوہا۔ تانبا۔ جست توتیا۔ گھی۔ دودھ۔ چاول۔ ست نجا کے ساتھ سونے کی ترازو میں تولا جاتا تھا اور وہ سب سونا چاندی اور دیگر اشیاء برہمنوں اور عام فقیروں غریبوں کو بانٹ دیا جاتا تھا۔ جہانگیر نے اسکا سالانہ خرچ ایک لاکھ روپیہ کے قریب لکھا ہے[1]۔

اس رسم کو خاندان مغلیہ کے سب فرمانروا بجا لاتے رہے۔ شاہجہان نے اس میں اس قدر اور زیادتی کی کہ نوروز شمسی کے موقع پر ایک مرتبہ سونے اور دوسری مرتبہ چاندی اور دس مرتبہ دیگر اجناس سے اور نوروز قمری کے موقع پر پہلی مرتبہ سونے اور دوسری مرتبہ چاندی اور چھ مرتبہ دیگر اجناس سے وزن کرا کر حسب دستور سابق کُل سونا چاندی اور دیگر اجناس مستحقین کو تقسیم کرا دیتا تھا[2]۔

انوپ تلاؤ کی خیرات

اکبر نے مقررہ خیرات کے علاوہ ۹۸۶ھ میں فتحپور سیکری میں انوپ تلاؤ کو ہر قسم کے سکوں سے لبریز کرا کر اول ایک اشرفی۔ ایک روپیہ۔ ایک پیسا۔ آپ اُٹھایا۔ اسیطرح اُمرائے دربار کو عنایت کیا۔ پھر مٹھیاں بھر بھر کر غریبوں اور محتاجوں کو تقسیم کرنا شروع کیا۔ تین برس میں اسی طرح لٹا کر حوض خالی کر دیا۔ جہانگیر نے اپنی توزک میں لکھا ہے کہ ۳۶×۳۶ طول عرض اور ۴½ گز اِس حوض کا عمق تھا اور اُس میں ۳۴ کروڑ۔ ۴۸ لاکھ ۴۶ ہزار دام جس کے ۱۶ لاکھ۔ ۷۹ ہزار۔ ۴ سو روپئے ہوتے ہیں سمائے تھے۔ ضرورت

[1] ۔ توزک جہانگیری صفحہ ۱۱۲- [2] بادشاہنامہ ملا عبد الحمید لاہوری صفحہ ۲۴۳-۲۴۴ جلد اول۔

اور احتیاج کے پیاسے مدتوں تک آتے اور دلوں کی پیاس بجھاتے رہے۔" صاحب دربار اکبری لکھتے ہیں کہ میں نے ایک پرانی تصویر دیکھی۔ اکبر اس تالاب کے کنارے پر بیٹھے ہیں۔ بیربل وغیرہ چند امرا حاضر ہیں۔ کچھ مرد کچھ عورتیں۔ کچھ لڑکیاں پنہاریوں کی طرح اسمیں سے گھڑے بھر بھر کر لئے جاتی ہیں۔"[۵۱]

جہانگیر کی خیرات

جہانگیر کو خیرات کا بہت شوق تھا۔ سنہ ۱ جلوس میں عید کے دن میر جمال الدین حسین انجو، میران صدر جہاں، میر محمد رضائی سبزواری۔ کو ایک ایک لاکھ دام اور دوست محمد شاہ کو کئی لاکھ دام دیئے کہ فقرا اور ارباب احتیاج میں تقسیم کریں اور پانچ ہزار روپیہ شیخ محمد حسین جامی کی خانقاہ کے فقیروں کے واسطے روانہ کئے اور حکم دیا کہ ہر روز ایک منصب دار پچاس ہزار دام (۴۰ دام ایک روپیہ کے) فقرا اور مساکین کو تقسیم کیا کرے۔[۵۲]

جہانگیر نے قاعدہ مقرر کر رکھا تھا کہ رات کے وقت فقرا اور ارباب احتیاج اس کے روبرو پیش ہوا کریں۔ ان لوگوں کو حسب حیثیت وہ خود نقد خیرات اور جاگیر مرحمت کیا کرتا تھا۔ سنہ ۹ جلوس کے خاتمہ پر لکھتا ہے کہ اس سال پچپن ہزار روپئے نقد۔ ایک لاکھ نوے ہزار بیگہ زمین، چودہ گاؤں فقرا اور مساکین کو میں نے اپنے ہاتھ سے مرحمت کئے۔[۵۳]

سنہ ۱۲ جلوس میں جب گجرات کے دورہ پر تھا شیخ اسد اللہ غیبیو شیخ وجیہ الدین۔ اور شیخ احمد صدر اور اکثر مشایخ اور امرا کو اس کام پر متعین کیا تھا کہ فقرا اور ارباب استحقاق کو ڈھونڈھ ڈھونڈ کر ملازمت میں لائیں تاکہ کوئی مستحق محروم نہ رہ جائے اسی خدمت پر چند عورتیں مقرر تھیں کہ بیواؤں اور عاجزوں کے حالات دریافت کرکے بادشاہ سے عرض کرتیں اور ان کے

۵۱۔ دربار اکبری صفحہ ۱۲۵ و توزک جہانگیری صفحہ ۲۶۔
۵۲۔ توزک جہانگیری صفحہ ۲۱۔ ۵۳ کتاب مذکور صفحہ ۱۳۶۔۱۳۷۔

پاس زر نقد اور جاگیروں کی سندیں پہنچاتی تھیں۔ جہانگیر نے خود یہ حال لکھا ہے: "ہمگی ہمت مصروف آں بود کہ چوں بعد از سالہا مثل من بادشاہے بہ طالع فقرائے ایں ملک آمدہ باشد باید کہ ہیچ احدی محروم نماند حق تعالیٰ شاہد است کہ دریں عزیمت کوتاہی نہ کردہ ام و ہیچ وقت ازیں شغل فارغ نبودہ ام۔ اگرچہ از آمدن باحمد آباد اصلاً محظوظ نشدہ ام غایتاً خاطر حقیقت شناس را بایں خورسند دارم کہ آمدن من موجب فاہمیت حال جمعے کثیر از درویشاں شدہ و خلقے بنوا رسید۔"[۵۱]

شاہجہاں کی خیرات

شاہجہاں نے تخت نشین ہوکر بارہ لاکھ روپیہ سادات اور مشایخ اور فضلا اور صلحا کو مرحمت کئے۔ سنہ ۱ جلوس میں چار لاکھ بیگہ زمیں اور ۱۲۰ گاؤں ارباب استحقاق کو جاگیر میں ملے۔[۵۲]

سنہ ۲ جلوس میں شاہجہاں نے حکم دیا کہ ہر سال ۲۷۔ رجب کی رات کو دس ہزار اور ۱۵ شعبان کی رات کو دس ہزار اور رمضان کے مہینے میں تیس ہزار اور عشرہ محرم میں دس ہزار اور ۱۲ ربیع الاول کی رات کو دس ہزار جملہ ستر ہزار روپئے سال محتاجوں کو تقسیم ہوا کریں۔[۵۳]

عالمگیر کی خیرات

شہنشاہ عالمگیر نے سنہ ۲ جلوس میں حکم دیا کہ شاہجہاں کے عہد سے ۷۰ ہزار روپئے سال جو فقرا میں تقسیم کئے جاتے ہیں بجائے اوس کے آیندہ سے ایک لاکھ چالیس ہزار روپئے سال تقسیم ہوا کریں۔[۵۴]

اس کے علاوہ مسجدوں۔ خانقاہوں۔ مزارات اولیائے کرام کی نگہداشت کیواسطے صدرات کے نام سے ایک خاص اور وسیع محکمہ قایم تھا اور تمام مذہبی اوقاف اور جاگیرات

۵۱۔ توزک جہانگیری صفحہ ۲۱۸۔ ۵۲۔ بادشاہنامہ صفحہ ۲۵۱ جلد اول ۵۳۔ بادشاہنامہ صفحہ ۲۵۹ جلد اول
۵۴۔ عالمگیر نامہ مطبوعہ مطبع الہی صفحہ ۲۳۔

کا انتظام صدرالصدور یا صدر کے ذریعہ سے ہوتا تھا۔ علما اور فضلا اور مشایخ اور سادات اور دیگر ارباب استحقاق کو زر نقد اور اراضی مدد معاش اُسی کی سفارش سے مرحمت ہوتی تھی۔

داؤد شاہ بہمنی نے اپنے عہد (۷۹۹ھ لغایۃ ۷۹۹ھ) میں گلبرگہ۔ بیدر۔ قندھار۔ ایلچ پور دولت آباد۔ جیول۔ دابل۔ اور دیگر بڑے بڑے شہروں اور قصبوں میں خیرات خانے اور یتیم خانے قایم کئے تھے۔ تمام یتیم خانوں میں لڑکوں کے پڑھانے کے واسطے معلموں کو مقرر کر کے اُن کے اخراجات معین کئے تھے۔ تمام ملک میں جسقدر اندھے تھے اُن کے ایسے بیش و قرار وظیفے مقرر کر دیئے تھے کہ اکثر لوگ اپنے آپ کو عمداً اندھا بنا کر ماہ بماہ خزانہ سے وظیفے وصول کرتے تھے۔[۱]

داؤد شاہ بہمنی کے خیرات خانے اور یتیم خانے

برہان نظام شاہ نے قلعہ احمد نگر کے سامنے ایک عظیم الشان لنگر خانہ تعمیر کرایا تھا۔ کئی گاؤں اُس کے اخراجات کے واسطے وقف کئے تھے۔ ہر روز چاشت کے وقت اِس لنگر خانے سے محتاجوں کو کھانا تقسیم ہوتا تھا۔[۲]

برہان نظام شاہ کا لنگر خانہ

ابراہیم قطب شاہ والئی گولکنڈہ نے گولکنڈہ میں ایک لنگر خانہ بنوایا تھا۔ جو وہاں کی مشہور عمارتوں میں شمار ہوتا تھا۔

ابراہیم قطب شاہ کا لنگر خانہ

محمد عادل شاہ والئی بیجاپور کے عہد میں تمام بڑی بڑی مسجدوں اور مزارات پر لنگر خانے جاری تھے جن سے صبح و شام دونوں وقت غربا اور مساکین کو پکا پکایا کھانا ملا کرتا تھا۔ ہندو محتاجوں کو حسب ذیل خشک غذا دیجاتی تھی۔

محمد عادل شاہ کا لنگر خانہ

اٹا ۱ ۔ چاول ۱ار ۔ دال ۱ار ۔ گھی ۱ار ۔ نقد مصالح اور لکڑی کیواسطے۔

سبیل بھی اُن کے واسطے علیحدہ لگائی جاتی تھی جس میں برہمن پانی پلانیکے واسطے

[۱] تاریخ فرشتہ [۲] فرشتہ

مقرر ہوتا تھا۔[۱]

فرمانروایان مالوہ کے عہد میں تمام ملک میں لنگر خانے جاری تھے۔ مانڈو کے عظیم الشان لنگر خانے سے ہزاروں فقیروں اور محتاجوں کو روزانہ کھانا ملتا تھا۔ ہوشنگ شاہ کے مقبرے سے مغرب کی جانب اس لنگر خانے کی عظیم الشان عمارت کے نشانات اسوقت تک موجود ہیں۔[۲]

شاہان مالوہ کے لنگر خانے

نوٹ۔ تاریخ دکن جلد سوم۔ [۲] ترک الفقائی صفحہ ۱۰۸۔

ضمیمہ متعلق صفحہ ۱۱۴

بقیہ حال پل جونپور

صاحب جونپور نامہ بحوالہ تاریخ منعمی تحریر فرماتے ہیں کہ تیس لاکھ روپیہ کے صرف سے یہ بینظیر پل تعمیر ہوا تھا۔ علاوہ اس قطعہ تاریخ کے جو پہلے لکھا جا چکا ہے یہ قطعہ پل کے اوپر مغرب کی جانب ایک پتھر پر کندہ ہے۔ قطعہ

زہے خانخانان منعم کہ باشد	درش قبلۂ دلہا آگاہ
پلے بست از سنگ بر روے دریا	کز و بگذرد اہل دل گاہ و بیگاہ
چو از فضل الٰیہ شد بستہ ایں پل	ازان گشت تاریخ او فضل الٰیہ

اس پل کے پاس اکثر عمارتیں بنائی گئی تھیں جنمیں ایک عالیشان حمام قابل ذکر ہے جو پل سے شمال کی جانب تعمیر کرایا گیا تھا اسکے اخراجات کیواسطے کئی گاؤں پرگنہ جونپور کے وقف کئے گئے تھے۔ محمد شاہ کے اخیر عہد تک یہ حمام بخوبی آراستہ اور بارہوں مہینے گرم ہوتا تھا اور ہر خاص و عام غریب امیر بلا کسی روک ٹوک کے اسمیں غسل کیواسطے جا سکتا تھا۔ نواب سعادت خاں نے اپنے عہد میں حمام کے وقف کو ضبط کر لیا۔ اسکے بعد کچھ دنوں تک پل کی دوکانونکے محصول اور حکام وقت کی امداد سے یہ حمام جاری رہا اسکے بعد بالکل بند ہو گیا۔

پل جلال پور

یہ خوطاق کا پُل جونپور سے چار کوس کے فاصلہ پر دریا سیئی پر واقع ہے۔ اسے ۹۱۵ھ میں جلال خاں پسر سلطان سکندر لودھی نے بنوایا تھا جب خانزماں نے اکبر سے بغاوت کی اور اوسکا بھائی بہادر خاں جونپور کو لوٹ کر بھاگا تو شاہی فوج کے تعاقب کے خوف سے اس پل کو خراب کر دیا۔ اسکے بعد منعم خاں خانخاناں نے اسکو از سر نو تعمیر کرایا جو ابتک موجود ہے۔

پُل لشن پور

یہ پل موضع لشن پور میں جو جونپور سے بجانب مغرب چار کوس کے فاصلہ پر واقع ہے دریاے سیئی پر بنایا گیا ہے۔ اسے ۹۷۶ھ میں خواجہ دوست نے کہ منصبدار سہ ہزاری تھے (؟) شاہی سے پرگنہ گھوسوہ کا جاگیردار اور منجانب میان فہیم کے پُل جونپور کی تعمیر کا مہتمم تھا تعمیر کرایا تھا۔ اس کے قریب اور بھی نفیس عمارتیں بنائی گئی تھیں جنکے نشان ابتک موجود ہیں۔

پُل نمکسار

یہ پُل نالہ نمکسار پر موضع کٹگھرہ میں جو جونپور سے ایک کوس کے فاصلہ پر ہے انھی خواجہ دوست نے جنکا ذکر اوپر ہوا بنوایا تھا۔ اب ٹوٹا پڑا ہے۔

پُل نالہ لاڈلی پور

سلطان محمود شرقی کی بیگم بی بی راجی نے نہایت استحکام کے ساتھہ یہ پل تعمیر کرایا تھا۔ سلطان سکندر لودھی کے عہد میں کسی وجہ سے توڑوا دیا گیا۔

پل شیخ پھول

جونپور کے قریب نالہ پرگنہ اور نالہ دمدمہ موضع کونہڑہ میں ملتے ہیں۔ برسات کے موسم میں ان دونوں نالونکی طغیانی کیوجہ سے شہر کے اکثر محلے ویران ہو جاتے تھے۔ اس پریشانی کے دور کرنیکے واسطے شہنشاہ بابر کے عہد میں شیخ پھول نے ایک بہت بڑا بند بندھوا کر ایک پُل بندھوا دیا تھا۔ جو مدتوں قایم رہا۔ اب تخمیناً ستر برس سے شکستہ حالت میں ہے۔